عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

شعبان، رمضان ۱۴۳۷ھ / مئی، جون ۲۰۱۶ء

زیرِ سرپرستی : مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ صاحب دامت برکاتہم

بانی : ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلسِ مشاورت : حاجی شیر حسن صاحب، مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست
مولانا محمد طفیل، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیرِ مسئول : ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت : ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی
ڈاکٹر زیاد طارق

قانونی مشیران: ثاقب وزیر صاحب (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)، سیف اللہ خلیل صاحب (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

Reg No. P476

جلد: چاردھم

شمارہ: 9 ، 10

فہرست

صفحہ نمبر	صاحبِ مضمون	عنوان
۱	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۱۔ رویتِ ہلال کے ذمہ داران متوجہ ہوں!
۳	حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۔ قادیانیت کے بارے میں قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ اور اس کے ذیلی تقاضے
۱۶	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۳۔ ڈاکٹر سفیر صاحب کی دکھ بھری وفات
۱۸	ظہور الٰہی فاروقی صاحب	۴۔ ملفوظاتِ شیخ (قسط۔۷۸)
۳۰	حضرت گوہر رحمان نقشبندی فریدی صاحب ایڈووکیٹ	۵۔ تین باتوں پر وعید
۳۶	مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب	۶۔ شیخ الہندؒ کا احسانی وعرفانی مقام (قسط۔۷)
۴۱	ارشاد احمد بخاری صاحب	۷۔ نظامِ تعلیم کی تبدیلی
۴۴	شیخ الحدیث والتفسیر مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ	۸۔ رزقِ اولیاء کے پوشیدہ اسباب
۴۶	محمد عبدالباسط صاحب	۹۔ ختمِ نبوت کورس
۵۰	جناب احتشام صاحب	۱۰۔ ۸/ اکتوبر ۲۰۰۵ء ایک داستان
۵۳	حضرت مولانا محمد شاہد صاحب	۱۱۔ بزرگوں کے حیرت انگیز واقعات
۵۵	خواجہ حافظ محمد رفیق صاحب	۱۲۔ آقا اور غلام کی کہانی
۶۰	قاضی فضل واحد صاحب	۱۳۔ سلام اور اس کے احکام (قسط۔۱)

فی شمارہ : 15/- روپے   سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com
zayadtariq@hotmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رویتِ ہلال کے ذمہ داران متوجہ ہوں!

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

میرے بھائی! وہ چاند جسے عام طور پر بوڑھے، جوان، چھوٹے، بڑے دیکھ رہے ہوں پہلی رات کا چاند نہیں ہوتا۔ ایسے نظر آنے والے چاند کے لئے رویتِ ہلال کمیٹی، گواہ اور جرح کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ سب لوگوں نے دیکھ کر خود ہی فیصلہ کرلیا تھا۔ گواہوں کا آنا اور ان پر جرح کرنا جو فقہ میں زیرِ بحث آیا ہے اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ چاند سب لوگ نہیں دیکھ سکیں گے۔ مخصوص لوگ دیکھ سکیں گے جو بطور گواہ پیش ہوں گے۔ ان کی دینداری اور اخلاص کی تسلی حاصل کی جائے گی پھر ان پر جرح ہوگی۔ پھر ذمہ دار لوگ فیصلہ کریں گے۔ دراصل انسانوں کی آنکھوں کی نظر مختلف سطح پر ہوتی ہے۔ 6/6 سے اوپر کا ایک درجہ 6/5 کا ہے۔ ایسی نظر عموماً بچوں اور ان غیر شادی شدہ نوجوانوں کی ہوتی ہے جو پارسائی کی زندگی گزارتے ہوں۔ اس سے بھی زیادہ تیز نظر کا ایک حوالہ حدیث میں موجود ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کو ثریا میں گیارہ ستارے نظر آتے تھے۔ 6/6 نظر والے کو چھے نظر آتے ہیں جبکہ 6/5 نظر والے کو سات نظر آتے ہیں۔ گیارہ ستاروں کا نظر آنا یہ بات بتا رہا ہے کہ 6/5 سے بھی زیادہ تیز نظر ہوسکتی ہے۔ ماہرینِ فلکیات بتاتے ہیں کہ ثریا میں ۳۵ ستارے ہیں۔

چنانچہ تیز نظر والے لوگ چاند دیکھیں گے اور بطورِ گواہ پیش ہوں گے۔ ہمارے اپنے محلے میں برخوردار سلمان نے ۵ جون کا دن گزر کر ۶ جون کی رات کو چاند دیکھا۔ برخوردار بائیس سالہ باشرع، صالح نوجوان ہے اور سارا سال چاند دیکھنے کی مہارت رکھتا ہے۔ واضح فقہی مسئلہ ہے کہ موسم ابر آلود ہو یا گرد آلود ہو تو ایک معیاری گواہ کی گواہی بھی کافی ہے جسے ''خبرِ واحد'' کہتے ہیں۔ پشاور پر اتنی گرد ہوتی ہے کہ قلعہ بالا حصار اور پرل کانٹیننٹل ہوٹل میں کھڑے ہو کر مغرب کے افق کو

دیکھیں تو افغانستان اور پاکستان کی سرحد پر حدِ فاصل ’’تاتارا پہاڑ‘‘ بھی نظر نہیں آتا۔ چنانچہ برخوردار سلمان کی خبرِ واحد اور اس پر ملائشیا، انڈونیشیا، عرب امارات اور سعودی عرب کے اعلانات مضبوط فقہی دلائل کی بنیاد پر اس بات پر مجبور کررہے تھے کہ ہم روزہ رکھیں۔

فتاووں میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ جب تین، چار مسلمانوں کی حکومتوں کا الیکٹرانک میڈیا پر اعلان ہوجائے تو اسے ’’خبرِ مستفیض‘‘ یا ’’خبرِ افاضہ‘‘ کہتے ہیں جو کہ حجت ہوجاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واضح قول ہے کہ مشرق کی رویت (چاند دیکھنا) مغرب کے لئے حجت ہے جبکہ صحیح واسطے سے اطلاع پہنچ جائے۔

میرے بھائی! ساری دنیائے اسلام ایک طرف جارہی ہو اور ہم ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنارہے ہوں تو کیا یہ جگ ہنسائی نہیں؟ ترکیہ سے بندہ کے مرید وقار صاحب نے اطلاع بھیجی کہ پاکستان کا ایک وفد رویتِ ہلال کے مسئلے پر بات کرنے ترکی آیا ہوا تھا۔ انہوں نے خوب شدت سے مؤقف پیش کیا کہ ساری دنیائے اسلام میں ایک عید ہونی چاہئے اور تاریخ وہ ہو جو ہم پاکستان والے کہیں۔ یہ بحث چل ہی رہی تھی کہ اتنے میں سعودی عرب کا رویتِ رمضان کا اعلان آگیا اور ترکی والوں نے ٦ جون کے روزے کا اعلان کردیا۔

بے دینی کی بنیاد

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں نے بصیرت کی بنا پر تجربہ کیا ہے کہ لوگوں کی دین سے دوری میں نوے فیصد حرام مال کھانے کا عمل دخل ہے اور دس فیصد اس سے کہ بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا کھاتے ہیں، اور اس مسئلے کا حل نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا ہے۔

(حضرت کے ارشادات کا مفہوم جوان کے مریدوں کی زبانی کئی حضرات سے سنا گیا)

قادیانیت کے بارے میں قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ اور اس کے ذیلی تقاضے

(حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ)

اکثر شاندار تحریریں بڑی کتابوں میں دب کر رہ جاتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی شاید حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر کے ساتھ میٹنگ اور ارکانِ پارلیمان کی طرف سے موصوف پر یحییٰ بختیار کی کئی روزہ جرح، سوال و جواب کے بعد قادیانیت کا اصل چہرہ اراکین کے سامنے آیا، جس کے نتیجے میں متفقہ طور پر اکثریتی رائے نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ اسی بابت ایڈیٹر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، مولانا سمیع الحق صاحب نے عالمِ اسلام کے مشاہیر اہل علم کے سامنے ایک مختصر سوالنامہ پیش کیا، جس کے جوابات ماہنامہ الحق بابت ماہ نومبر/دسمبر ۱۹۷۴ء شائع ہوئے۔ بعد میں یہ جوابات ''فتاویٰ حقانیہ'' جلد اول ص ۴۶۸-۴۷۶ کی زینت بنے۔

ایڈیٹر محترم کا سوالنامہ مندرجہ ذیل چار سوالوں پر مشتمل تھا:

۱۔ آئینی فیصلہ کے بارے میں آپ کے تاثرات اور خدمات کیا ہیں؟

۲۔ کیا اِس فیصلہ کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہوگئی ہے؟

۳۔ ملک و بیرونِ ملک قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات کیا ہیں؟

۴۔ ایسے مہلک اثرات کے تعاقب کا طریقہ کار اور لائحہ عمل کیا ہوسکتا ہے؟

اس سوالنامے کے جواب میں جن مشاہیر اصحابِ علم کے جواب شائع ہوئے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

الشیخ محمد صالح القزار (سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ)، حضرت مولانا مفتی محمود

صاحب (قائد جمعیت علمائے اسلام و شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان)، حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ (خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ٹنڈو الله یار سندھ)، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتیِ اعظم پاکستان (بانی وصدر دارالعلوم کراچی)، حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی (سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند و جامعہ اسلامیہ بہاولپور، وزیرِ تعلیم وقاضی القضاء (Cheif Justice) ریاست بہاولپور)، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی (مہتمم دارالعلوم دیوبند)، یادگار سلف اسیرِ مالٹا وتلمیذِ خاص حضرت شیخ الہند حضرت مولانا میاں عزیر گل صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ (سربراہ ندوۃ العلماء لکھنو)، مولانا فخر الحسن صاحب، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا محمد شریف حسن، مولانا معراج الحق، مولانا نصیر احمد (اکابر اساتذہ دارالعلوم دیوبند)، مولانا سید ازہر شاہ قیصر (مدیر ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند)، حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری (صدر مجلس عمل)، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہ، جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی (بانی جماعتِ اسلامی پاکستان)، حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی (کراچی)، حضرت مولانا محمد اشرف صاحب (صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور)، مولانا قاضی عبدالکریم صاحب (مہتمم نجم المدارس کلاچی)، جناب امین اصلاحی (ایڈیٹر ماہنامہ ''میثاق'' لاہور)، مولانا محمد طاسین صاحب (ناظم مجلس علمی کراچی)، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی (صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ)، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب (مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ)، حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ (ہفت روزہ خدام الدین لاہور)، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب (ناظم ادارۂ دعوت وارشاد چنیوٹ)، مولانا ظفر احمد انصاری صاحب (ایم این اے کراچی)، شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری (لاہور)، جناب ماہر القادری صاحب (مدیر ماہنامہ ''فاران'' کراچی)، مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب (ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ اسلام آباد)، جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس، فرانس)، جناب ڈاکٹر پروفیسر صغیر حسن معصومی (اسلام آباد)، جناب محترم ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب (صدر شعبۂ دائرۃ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)، حضرت

مولانا محمد شریف صاحب جالندھری (ناظم مرکزی دفتر مجلس تحفظِ ختمِ نبوت ملتان)، حضرت مولانا احمد عبدالحلیم کانپوری (کراچی)، جنابِ محترم زیڈ اے سلہری صاحب (پاکستان ٹائمز، لاہور)۔

مولانا اشرف صاحب رحمہ اللہ کا تحریری جواب قارئین غزالی کے لئے قندمکرر کے طور پر پیش خدمت ہے۔ آج ان تحاریر کی ضرورت شاید ماضی سے کچھ بڑھ گئی ہے۔

(قاضی طلال سلجوقی ایڈووکیٹ)

....

الحمد للّٰہ وحدہ و انجز وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ

و الصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ. اما بعد!

محترمی ومکرمی زید مجدکم و جہادکم فی سبیل اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

قادیانی مسئلہ کے موجودہ حل کے بارے میں چند استفسارات پر مشتمل نامۂ سامی باعثِ سعادت ومیمنت ہوا۔ گو فقیر اس کا اہل نہیں لیکن حضور انور فخر الانبیاء خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تاجِ ختمِ نبوت اور ناموسِ رسالت کے بارے میں چند الفاظ نجات وسعادت کا ذریعہ بن سکیں تو زہے قسمت!

(ا)　ختم نبوت ایک مسلمہ اور متفقہ عقیدہ ہے کہ توحید کے بعد اسلام کی بنیاد ہی اس عقیدہ کی بے غِل وغش (بے دریغ، بلا کدورت کے) واضح تعبیر پر مبنی ہے۔ حضورِ انور (روحی فداہٗ) صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کمالات ومزایا کسی نہ کسی صورت میں ''ختم نبوت'' ہی کا ثمرہ ہیں۔ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی شان، عمومی بعثت، دائمی رسالت، آپ ﷺ کی امت کی بعثت وخیر الامم ہونا، قرآنی احکام کے دوام وغیرہ سب ''ختم نبوت'' ہی کے نتائج ومظاہر ہیں۔ امت مسلمہ کا شیرازہ ختم نبوت کی رسی سے بندھا ہوا ہے۔ امتیں ''نبی'' سے بنتی ہیں، اور یہ لافانی وجاودانی امت ختم نبوت ہی کی برکت سے زندہ، قائم اور استوار ہے۔ اس لئے ہر دور و ہر زمانے میں امت کے ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر نے اس عقیدہ کو اسلام کی

روح و جان سمجھا اور ناموسِ ختم نبوت کے لئے اپنا سب کچھ نثار کرنے میں اپنی فوز و کامرانی جانی، اور اگر کسی روسیاہ و بدبخت نے حریمِ نبوت میں قدم رکھنے کی جسارت کی تو اسے فوراً ختم کر کے رکھ دیا گیا، اور امت نے کسی بھی دور میں ختم نبوت سے بغاوت اور اس ابلیسی سازش کو برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ ہم سب کے آقا و مولیٰ، سیدِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے سے پیشتر ہی جب چند طالع آزماؤں نے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی کی صورت میں اپنے خبث باطن (اندر کی گندگی) کا اظہار کیا تو دربارِ نبوت نے ان کے انجامِ بد کی خبر ارشاد فرمادی۔

دورِ صدیقی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں امت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پہلا اجماع اور عملی اقدام اِن متنبئین (جھوٹے نبیوں) سے قتال پر تھا۔ اسی طرح جس دور میں بھی کسی کو یہ منحوس خبط سوار ہوا امت نے اسے ختم کر کے رکھ دیا۔ یہ اس دور کی کم نصیبی، ہماری شامتِ اعمال اور انگریزی استعمار و سیاست کا انتہائی دجل و فریب تھا کہ مسیلمہ پنجاب آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت کو اسلامی معاشرے میں پنپنے اور باقی رہنے کی اتنی طویل مدت میسر آگئی۔ امت میں ابلیس کے مبعوثہ متنبئین میں جس طرح انگریزی استعمار کا یہ "خود کاشتہ پودا" پیدا ہوا اور پروان چڑھا اور اپنے لٹریچر و دعوت کو پھیلاتا رہا وہ تاریخِ اسلامی کا ایک اندوہناک باب ہے۔ گو مرزا قادیانی کی مشؤمہ نبوت کے دعویٰ کے پہلے دن ہی سے امت کے خواص و عوام اس "شجرۂ خبیثہ" کے مہلک اثرات کو بھانپ گئے تھے اور اس کے دفاع و قلع قمع کی کوشش شروع ہوگئی تھی، لیکن مرزا قادیانی اور اس کی امت نے انگریز و استعماری طاقتوں کے زیرِ سایہ اور ان کے ایجنٹ کی حیثیت سے ملتِ اسلامیہ کے لئے ناسور اور آکاش بیل (Paracite) کی صورت اختیار کرلی۔ برکوچک (موجودہ ہندوستان اور پاکستان) سے انگریز کے اخراج کے بعد ہمارے بعض راہنماؤں کی کم حوصلگی اور کوتاہ بینی نے پاکستان میں ان کے لئے ایسے مواقع فراہم کردئے تھے کہ قادیانیت جو ایک انتہائی قلیل و حقیر اقلیت ہے ہر سپید و سیاہ کی مالک بنی جارہی تھی اور اپنے کفر کا اعلان کھلم کھلا کرنے لگی تھی کہ یکا یک غیرتِ حق جوش میں آئی

اور ربوہ ریلوے اسٹیشن کا سانحہ پیش آ گیا، جو حقیقت میں قادیانی سیاست و سازش کا نہایت ہی سنگین و اچھوتا اقدام تھا جو اکثریت کے جذبات و حالات معلوم کرنے کے لئے Feeler (جذبات کا حال معلوم کرنے والی شے) کی حیثیت سے آزمایا گیا تھا لیکن ” چاه کن را چاه درپیش “ (جو دوسرے کیلئے کنواں کھودتا ہے وہ خود ہی اس میں گرتا ہے) وہی ان کی سکرات (نزع و موت) کا باعث بنا۔

فقیر سوات میں (۲۸ مئی سے یکم جون ۱۹۷۴ء تک) حضرت الاستاذ علامہ سید محمد یوسف البنوری مدظلہ العالی کا ہمسفر تھا، غالباً ۳۰ مئی تھی کہ ہم مینگورہ میں کار سے گزر رہے تھے کہ بندہ نے اخبار خریدا جس میں ربوہ کے خونچکاں سانحہ اور نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلبا پر قادیانیوں کے حملہ کا ذکر تھا۔ بندہ نے علامہ یوسف بنوری مدظلہٗ کو خبر پڑھ کر سنائی، حضرت موصوف گہری سوچ و فکر میں پڑ گئے، ردعمل پوچھا تو کچھ توقف کے بعد فرمایا۔

” عدو شرے بر انگیزد کہ خیرِ ما در آں باشد

(دشمن کوئی ایسا شر کھڑا کرے جس میں میری خیر ہو)

ہم متحد نہیں ہو رہے تھے ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہمیں (مسلمانوں کو) متفق کر دے اور اس فتنہ کا سدِ باب ہو سکے۔“ سچ ہے

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

(قلندر جو بات کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے)

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ۳ ماہ ۱۰ دن کے بعد رحمتِ حق متوجہ ہوئی اور میرے قدیر رب کی قدرت نے اندرونی اور بیرونی قوتوں، قادیانیوں کے یقین اور پیشن گوئیوں کے علی الرغم اپنے محبوب اور پیارے رسول خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے لازوال تاج پر دشمنوں کی گرد اڑانے کی نامسعود کوششوں کو ناکام بنا دیا، اور مسلمانوں کو متحدہ کوششوں اور قربانیوں کو شرفِ قبولیت سے نواز کر پاکستان کی قومی اسمبلی کو توفیق بخشی کہ وہ ایک مسلمہ سچائی اور حقیقتِ ثابتہ کو

قانون کی صورت دے کر عند اللہ و عند الناس سرخرو ہو۔

مبارک ہیں وہ حضرات جنھوں نے یہ قرارداد پیش کی، اور خوش بخت ہیں وہ ممبرانِ اسمبلی جنھوں نے اسے مِن وعَن قبول کر کے اسے قانون کی صورت بخشی، قابلِ ستائش وصد آفرین ہیں وہ جملہ افراد وطبقات جنھوں نے اسمبلی سے باہر ہر قسم کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کر کے اس مسئلہ سے انکار کی گنجائش کو ختم کر دیا۔ اللہ تعالی بے شمار اور لامتناہی رحمتیں بھیجے ان شہداء کی روحوں پر جنھوں نے ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ میں حیاتِ جاودانی پائی، اور باری تعالیٰ ان علماء ومشائخ اور مجاہدین کی قبروں کو اپنے نور سے منور کرے جو قادیانی فتنہ کی ابتداء سے اس لعنت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ اگر قادیانی مسئلہ کے اس قومی حل پر اس کے مضمرات ومقتضیات (چھپے ہوئے پہلوؤں اور عملی تقاضوں) کی روشنی میں دیانتداری واخلاص سے عمل کیا جائے اور اس کو عملاً روبکار (نافذ) لایا جائے تو یہ حل مسلمانوں کی توقعات کے مطابق قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ سوال ہنوز (ابھی) ایک آئینی فیصلہ وتدبیر ہے۔ قانون کتنا اچھا اور درست کیوں نہ ہو جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے اس کے ثمرات سے متمتع (فائدہ اٹھانا) نہیں ہوا جاسکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ موجودہ فیصلہ کو الفاظ ومعنی اور اس کی آئینی روح کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے، اور اس ضمن میں حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ کم از کم مندرجہ ذیل باتوں پر فوری عمل درآمد کیا جائے:

۱۔ پاکستان کی نظریاتی مسلم امت کے جملہ اہم عہدوں سے قادیانیوں کو فوراً برطرف کیا جائے۔

۲۔ عام سرکاری ملازمتوں میں ان کا کوٹہ ان کی آبادی کے مطابق مقرر کیا جائے اور گزشتہ ۲۷ سالوں میں انہوں نے جس قدر ملازمتوں پر اپنے حصہ رسدی (جتنا حصہ بنتا ہے) سے زیادہ مسلمانوں کے حق پر قبضہ کر رکھا ہے جب تک ان کے حصہ رسدی کے مطابق نہیں ہو جاتا اس وقت تک مزید بھرتی روک دی جائے۔

۳۔ ربوہ کی مستقل حیثیت کو ختم کر کے اسے کھلا شہر عملاً بنا دیا جائے اور وہاں عام مسلمانوں کو آباد کرنے کا بندوبست کی جائے۔

۴۔ فرقان رجمنٹ اور قادیانیوں کی دیگر فوجی و نیم فوجی تنظیموں کو فوراً ختم کیا جائے۔

۵۔ ان کے لٹریچر کی جملہ کتابوں، رسالوں اور عبارات کو ضبط کیا جائے اور ان اشاعت پر پابندی لگائی جائے جن میں انبیاء علیہم السلام اور شعائر اسلام کی ہتک کی گئی ہے یا قرآن کے الفاظ و معنی میں تحریف یا ختم نبوت کی من مانی تشریح کی گئی ہو۔

۶۔ نیشنل اسمبلی کی قادیانی مسئلہ پر کاروائی کو منضبط کر کے شائع کیا جائے۔ خصوصاً اسمبلی کی قرارداد نمبر ۲ کا ضمیمہ ''ملت اسلامیہ کا مؤقف'' کتاب کو سرکاری طور پر عربی، انگریزی اور اردو میں شائع کر کے منیر رپورٹ کی طرح تمام دنیا میں پھیلایا جائے اور سفارتخانوں میں ان کی نقول بھیجی جائیں تا کہ فیصلہ کی حقانیت عالم اسلام پر ظاہر ہو۔

۷۔ قادیانیوں کا اندراج مردم شماری، شناختی کارڈوں، پاسپورٹوں، ملازمت اور دیگر جملہ سرکاری کاغذات میں جہاں مذہب کا خانہ ہو، غیر مسلم کی حیثیت سے کیا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں وہ غلط بیانی سے کام لیں اور بعد از تحقیق اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو اسے قابلِ سزا جرم قرار دیا جائے جو پاسپورٹ کی دائمی ضبطی اور ملازمت سے اخراج وغیرہ کی صورت میں ہو۔

۸۔ قادیانیوں کو مسلمانوں کی مسلّمہ شرعی اور دینی اصطلاحات کے استعمال کرنے سے روک دیا جائے۔ ان کی عبادت گاہوں کو مسجد کی بجائے قادیانی معبد یا کسی اور نام سے پکارا جائے، اسی طرح ان کے ذبیحہ اور شادی بیاہ وغیرہ اور جملہ اسلامی احکام جو کفار کے بارے میں ہیں ان پر نافذ کیے جائیں۔ ذمیوں کی حیثیت سے اگر وہ اپنے کو غیر مسلم اور وفادار شہری کے طور پر رہنا چاہیں تو ان کے ان حقوق کی حفاظت کی جائے جو شریعتِ اسلامیہ میں ذمیوں اور غیر مسلموں کے لئے طے کئے گئے ہیں، اور اگر وہ اس حیثیت سے انکار کریں اور اپنے کو پہلے کی طرح مسلمان سمجھ کر مراعات حاصل

کرنے کی کوشش کرتے رہیں تو ان کا اقتصادی اور معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا جائے۔

۹۔ دنیا میں باطل عموماً ملک و مال کے سایہ میں زن، زر، زمین کے لالچ میں پھیلتا ہے یا غلط فہمی اور دجل و فریب سے سادہ لوح اشخاص کو اپنے دامِ تزویر (سازش کا جال) میں پھنسا لیتا ہے۔ ''قادیانیت'' بھی دجل وفریب کا مرقع، تحریف و تلمیع اور ابلہ فریبی اور دسیسہ کاری کا پلندہ ہے جو انگریز استعمار اور دنیاوی حرص و آز (لالچ) میں پیدا ہوئی اور پھلی پھولی۔ ظاہر ہے کہ بہت سے دنیا پرست یا سادہ لوح دنیاوی محبت یا تحریف کے دھوکہ میں آ کر اس لعنت کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری جگر سوزی اور توجہ سے ان لوگوں کا دینِ خالص اور اصل اسلام کی دعوت دی جائے اور پھر سے ان کو خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل کیا جائے تا کہ وہ اپنی گذشتہ غلط زندگی سے تائب ہو کر تلافی مافات کر سکیں۔ اندرونِ ملک کے علاوہ غیر ممالک خصوصاً افریقہ و یورپ و امریکہ کے ممالک میں جو سادہ لوح ''قادیانیت'' کو اسلام سمجھ کر گمراہ ہوئے ہیں انہیں صحیح اسلام سے روشناس کرانا اور اس فریب اور مغالطہ سے انہیں بچانا ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے۔ اس سلسلے میں وفود، لٹریچر، حکومتی اور عام سطح پر جملہ تدابیر کو بروئے کار لایا جائے۔ اس بارہ میں سفارتخانوں سے قادیانی عملہ کی تبدیلی ایک خوش آئند عمل ہو گا۔

خیر یہ تو سادہ لوح، گم کردہ راہ قادیانیوں کی بات ہے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ہٹ دھرم اور اپنے غلط عقائد پر رہتے ہوئے اپنے آپ کو ''مسلمان'' سمجھنے اور سمجھانے پر مصر ہے۔ اس نے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح موقع کی تاک میں ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے پاکستان خصوصاً اور مسلمان عموماً امن میں نہیں ہیں۔ ملت کو ان سے وہی خطرات ہیں جو کسی زمانے میں حسن ابن صباح اور باطنیوں سے مسلمانوں کو تھے۔ گو اسمبلی اور مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلہ پر مرزا ناصر اور اس کی امت منقارِ زیر پر ہے اور ۱۴/۱۱ اکتوبر کے خطبۂ جمعہ میں مرزا ناصر نے کہہ دیا ہے کہ ''قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلہ پر جنوری یا فروری

سے پہلے کوئی تبصرہ نہیں کرونگا۔‘‘[۱] نہ معلوم مرزا صاحب کس بات کا انتظار کر رہے ہیں، تاہم مرزا صاحب اوران کی امت کی ذہنیت مرزا ناصر کے اس خطبۂ جمعہ سے بخوبی واضح ہوجاتی ہے جو آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پر بیان کرتے ہوئے انہوں نے (نام نہاد) مسجد اقصیٰ ربوہ میں دیا تھا۔[۲] قادیانی ذہنیت کی عکاسی کے لئے اس پمفلٹ کے بعض اہم و چیدہ اقتباسات کونقل کرتا ہوں۔ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا ناصر احمد صاحب کہتے ہیں:

۱۔ یعنی یہ کوئی ایسا بل پاس نہیں ہوا کہ ہمیں اقلیت قرار دیا جائے، بلکہ یہ ایک سازش ہے جو آزاد کشمیر کی حکومت سے کی گئی ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اوران کی مذہبی تبلیغ پر پابندی لگائی جائے اوراحمدی غیر مسلم اقلیت کی صورت میں نام رجسٹرڈ کروائیں۔ چنانچہ میں نے آزاد کشمیر سے بعض ذمہ دار آدمیوں کو بلایا۔ اس وقت صحیح صورت حال سامنے نہیں آئی تھی، اگلے دن وہ میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا دیکھیں ایک بات میں آپ کو بنیادی ہدایت کے طور پر کہہ دیتا ہوں، اوروہ یہ ہے کہ اگر یہ قرارداد قانون کی صورت میں منظور بھی ہوجائے تو قانون یہ کہتا ہے کہ ہر احمدی جو خود کو غیر مسلم سمجھتا ہے، وہ اپنا نام رجسٹرڈ کروائے، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہر احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور خدائے علیم وخبیر کی نگاہ میں بھی مسلمان ہے اس لئے یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے وہ غیر مسلم کی حیثیت میں نام کیسے رجسٹرڈ کروائے گا، اگر وہ ایسا کرے گا تو گویا وہ جھوٹ بول رہا ہوگا اوراسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی۔‘‘

(پمفلٹ مذکورہ ص ۳)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی ذہنیت باوجود اپنے صریح کفر اور حضور خاتم النبیین

۱۔ نوائے وقت راولپنڈی ۱۶/اکتوبر ۱۹۷۳ء۔

۲۔ یہ خطبہ ’’الفضل‘‘ مئی میں شائع ہوا، پھر نظارتِ اشاعت لٹریچر وتصنیف صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ نے ’’آزاد کشمیر اسمبلی کی ایک قرارداد پر تبصرہ از حضرت امام جماعت احمدیہ‘‘ کے عنوان سے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

ﷺ سے کھلی بغاوت کے اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور کہلائے جانے پر باوجود قانون کے مصر رہے گی۔

۲۔ آگے چل کر دھمکی کے انداز میں ارشاد ہوتا ہے:

"پس اگر نو یا بارہ آدمیوں نے اس قسم کی قرارداد پاس کر دی تو خدا کی قائم کردہ جماعت پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ یہ نہیں کہ جماعتِ احمدیہ غیر مسلم بن جائے گی، جس جماعت کو اللہ تعالیٰ مسلمان کہے اسے کوئی ناسمجھ انسان غیر مسلم قرار دے تو کیا فرق پڑتا ہے، اس لئے اس کا فکر نہیں، ہمیں فکر ہے تو اس بات کا کہ اگر یہ خرابی خدانخواستہ انتہاء تک پہنچ گئی تو اس قسم کے فتنہ فساد کے نتیجہ میں پاکستان قائم نہیں رہے گا۔ اس لئے ہماری دعائیں ہیں ہماری اور ہمارے اندر حب الوطنی کا یہ جذبہ موجزن ہے کہ کسی قسم کا کوئی بھی فتنہ نہ اٹھے کہ جس سے خود پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ آخر فتنہ فساد یہی ہے نا کہ کچھ سر کٹیں گے، کچھ زخمی ہوں گے، کون ہوں گے اور کیا ہوگا، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔" (ص ۴،۵)

مندرجہ بالا عبارت میں خصوصاً خط کشیدہ عبارت کے بین السطور میں جس قسم کی دھمکیاں عیاں ہیں وہ ہر سچے پاکستانی کے لئے لمحۂ فکریہ اور قادیانی سازشی ذہن کی عکاس ہیں جس سے ہر وقت چوکنا رہنا ضروری ہے، بلکہ آگے چل کر اس سے بھی واضح الفاظ میں تعلیل اور مقابلہ کی دعوت ہے.... چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

۳۔ "..... لیکن جہاں تک جماعتِ احمدیہ کا تعلق ہے تم گیدڑ اپنی کھوہ سے باہر نکل آئے ہو اور سمجھتے ہو کہ تمہارے چیخنے چلانے سے جماعتِ احمدیہ کے افراد ڈر جائینگے، نہیں ہرگز نہیں ڈریں گے۔" (ص ۱۰)

۴۔ "..... آج ان لوگوں کو جو ۱۹۵۳ء کی آڑ میں فتنہ وفساد برپا کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں عاجزانہ طور پر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، جماعتِ احمدیہ کے وہ لاکھوں بالغ افراد جو پاکستان کے باشندے ہیں ان کو خدا کی راہ موت سے ایسا ہی پیار ہے جیسے کہ ایک عاشق اپنے معشوق پر مستانہ وار قربان ہونے کو تیار کھڑا ہوتا ہے..... پس جہاں ہمیں پیار سے لوگوں کے دل جیتنے کا

حکم ہے وہاں اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (الحج: ۳۹)　　(ص۱۱)

۵۔ ''..... جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ ازار وترار　　(ایک کمزور لومڑی)

تم لومڑی کا لبادہ اوڑھ کر اور گیدڑ کا لباس پہن کر نکلتے ہو اور چیختے چنگھاڑتے ہو کہ ہم مرعوب ہو جائینگے۔ ہمیں تو خدا تعالیٰ نے شیر کی جرأت سے بڑھ کر جرأت عطا فرمائی ہے، ہمیں اللہ تعالی نے شیر کے رعب سے زیادہ رعب عطا فرمایا ہے، شیر کی دھاڑ سے میلوں تک بزدل جانور کانپ اٹھتے ہیں، ہمیں تو یہ وعدہ دیا گیا نصرت بالرعب میسر شھر ۔''(یعنی ایک مہینے کی مسافت کا رعب دیا گیا ہے)(ص۱۳)

۶۔ ''.....ہم تو ساری دنیا سے نہیں ڈرتے، جب انگریز سمجھتا تھا کہ اس کی دولتِ مشترکہ پر سورج غروب نہیں ہوتا، اس وقت اس نے احرار کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا(چہ دلاور است دُزدے۔ناقل)اس وقت بھی ہم نہیں ڈرے نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا، اب جب کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حالات بدل گئے ہیں اور احمدیت پر سورج غروب نہیں ہوتا، ہم نے خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشان دیکھ لیے، اب ہم اللہ کے سوا کسی اور سے بھلا کیوں ڈریں گے؟.....ہم انوار (روشنیوں) میں رہنے والے ظلمات (اندھیروں) میں چیخنے والے گیدڑوں (یعنی مسلمانوں.....اشرفؔ) سے بھلا کیسے ڈر سکتے ہیں۔''

(ص۱۳)

۷۔ ''.....جماعتِ احمدیہ کو قربانیاں دینی پڑیں گی، بعض افراد کو شاید جان کی قربانی دینی پڑے، بعض کو مال کی قربانی دینی پڑے، یہ تو ضرور ہوگا، لیکن جس مقصد کے لئے جماعت کو پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد میں ان شاء اللہ ناکامی نہیں ہوگی...''

مرزا ناصر احمد صاحب کی یہ پیشن گوئیاں مرزا غلام احمد صاحب کی محمدی بیگم کی پیشن گوئی کی

طرح پوری ہوتی ہیں یا نہیں لیکن ان تحریروں سے ایک بات واضح ہوجاتی ہے کہ مرزا ناصر صاحب کھلے بندوں "ھل من بارز" اور جنگ اور مقابلہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ انہیں یہ ہرگز گوارا اور منظور نہیں کہ ان کے کفر کو کفر کہا جائے اور ان کے اسلام سے اخراج و بغاوت کا کھلے بندوں اظہار کیا جائے اور جن دنیاوی مصلحتوں، یا طالع آزماؤں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں، سازشوں اور غیر ملکی استعمار کا ایجنٹ بننے کے لئے انہوں نے منافقین کی طرح نام نہاد اسلام اور مسلمانی کا جامہ اوڑھ رکھا ہے اس کی پردہ دری کی جائے اور ان کی جو اصل حقیقت ہے اس کو دنیا پر آشکارا کیا جائے۔ غرض مرزا ناصر احمد اور اس کی ملت کبھی بھی خوشدلی سے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو نہیں مانے گی۔ ان سے خطرات کھلے اور واضح ہیں، یہاں تک کہ پاکستان کی سالمیت کے بارے میں بھی وہ دھمکیاں دے رہے ہیں، اس لیے عام مسلمانوں اور حکومت کو پہلے سے زیادہ ان کی نگرانی اور ان کی نقل و حرکت کی نگہداشت کرنی چاہیئے، مبادا کہ وہ سرگودھا جیسے حالات پیدا کر کے پورے ملک کو آگ و خون میں نہ جھونک دیں۔

مندرجہ بالا سرسری گزارشات سے یہ بات ظاہر ہے کہ گو قومی اسمبلی کا فیصلہ ایک عمدہ اور اچھا حل ہے لیکن ابھی یہ پہلا قدم ہے، ابھی ملت مسلمہ کو بے فکر ہو کر قادیانی فتنہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے بلکہ ملک و بیرون ملک دعوتی، دینی، سیاسی و معاشرتی غرض ہر میدان میں پورے حزم واحتیاط، ہوش وضبط سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال: ۳۹) (ترجمہ: یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین کل اللہ کے لئے ہوجائے) کا امرِ الٰہی ظاہراً و باطناً پورا ہوجائے اور انگریزی استعمار کا یہ خودکاشتہ پودا ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔

آخر میں مجلس تحفظ ختم نبوت اور اس کے امیر الاستاذ علامہ سید محمد یوسف بنوری مدظلہٗ اور مجلس کے دوسرے راہنماؤں اور ان جملہ جماعتوں کو جنھوں نے اس دینی فریضہ اور فخرِ موجودات سید الکائنات خاتم النبیین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر

لگا دیا، مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کا نظم و ضبط، اتحاد، صبر و ہوش اور فراست و ہمت اس فیصلہ پر پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ ہمارے لئے ۲۲ جماعتوں کا اتحاد ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ و فیض ہے۔ دشمن کھلے اور چھپے حربے استعمال کر کے اس اتحاد میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ کاش! تمام فروعی اختلافات کو نظرانداز کرتے ہوئے ہم اسی طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد رہ سکیں تاکہ اس جدوجہد کے مقاصد پورے اور اس کے ثمرات ظاہر ہو سکیں بلکہ مجلس تحفظِ ختم نبوت کا کام اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''خاتم الشرائع'' (تمام شریعتوں کو ختم کرنے والی) کا مِن وعَن نفاذ و اجراء پورے ملک بلکہ تمام دنیا میں نہیں کرالیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں اور عام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر اتحاد و نظم و ضبط، یقین و ہوش سے اپنی جملہ ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں اور حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے فیض سے پورے عالم کو بقعۂ نور بنا سکیں۔ آمین۔

(صفحہ نمبر ۴۹ سے آگے) ضرورت ہے کہ وہ ایک ضروری حد تک عقیدۂ ختم نبوت کی تفصیلات کا علم حاصل کرے اور اس فتنہ سے آگاہی اس کے ماہر علمائے کرام سے حاصل کرے۔ اس سلسلہ میں ختم نبوت کورس کا اہتمام بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ختم نبوت کورس خود بھی کرنا اور ہر ہر مسجد، سکول، کالج اور یونیورسٹی میں اس کا اہتمام کرنا بہت ہی مفید ہے۔

ہمارا دین مثبت چیزیں سکھانے کے ساتھ ساتھ منفی چیزوں کی پہچان بھی سکھاتا ہے۔ اسی لئے ایک مسلمان کے لیے حلال کے ساتھ حرام کو پہچاننا، پاکی کے ساتھ ناپاکی کے مسائل کو جاننا، جائز کے ساتھ ناجائز چیزوں کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ مثبت چیزیں اختیار کی جاسکیں اور منفی باتوں سے بچا جاسکے۔ اسی طرح اپنے دور کے فتنوں (جیسے قادیانیت، انکار حدیث وغیرہ) اور دیگر گمراہ نظریات کا جاننا بھی بہت ضروری ہے تاکہ انسان اپنے ایمان و عقیدہ کا تحفظ کر سکے اور دوسرے مسلمان کے ایمان کی حفاظت میں بھی اپنا کردار ادا کر سکے۔

ڈاکٹر سفیر صاحب کی دُکھ بھری وفات

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ہمارے سلسلے کے دیرینہ خادم جناب ڈاکٹر سفیر صاحب انتقال فرما گئے۔ ۱۷ شعبان ۱۴۳۷ھ بروز منگل بمطابق ۲۴ مئی ۲۰۱۶ء خوشحال گڑھ میں جنازہ ہوا اور تدفین عمل میں آئی۔ ڈاکٹر سفیر صاحب کے ساتھ ڈاکٹر صاحبان، یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان، مدارس کے اساتذہ، طلبہ اور عام غریب لوگوں کی سخت وابستگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بندہ کے جنازہ کے بیان کے دوران سب طبقات کے آنسو اس بات کا ثبوت فراہم کر رہے تھے۔ دفن کے وقت ڈاکٹر صاحبان اور پروفیسر صاحبان نے مٹی ڈالنے میں سبقت کرتے ہوئے مقامی لوگوں کو نہیں چھوڑا۔

سب سے پہلا تبصرہ ڈاکٹر سیار صاحب کا تھا کہ آج مدارس کے اساتذہ اور طلبا یتیم ہو گئے۔ واقعی اب دو طبقات کی خاص طور سے مفت خدمت ڈاکٹر صاحب کی چاہت ہوتی تھی۔ ڈاکٹر سیار صاحب نے پھر کہا کہ جب مریض ان کے پاس آتا تھا تو ان کے ہمدردانہ رویے کی وجہ سے اپنی بیماری کو بھول جاتا تھا۔ فرسٹ ایئر ایم بی بی ایس سے ہی سلسلے میں بیعت ہو گئے تھے اور خوب ہمت کے ساتھ سلسلہ کے مہمانوں کی خدمت میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس پر ان کا کافی وقت لگتا تھا لیکن اس کے باوجود امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کر لیتے تھے۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد اپنی کلاس کے ٹاپ کرنے والے ڈاکٹر سے پہلے ایف سی پی ایس (میڈیکل سپیشلسٹ) کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ اپنی کلاس کے چند گنے چنے آدمیوں میں سے تھے جو اتنی جلدی ایسوسیئیٹ پروفیسر بن گئے تھے۔ خانقاہ کے پچیس فیصد اخراجات برداشت کرتے تھے۔ خانقاہ کے مہمانوں کے کھانے کے وقت خود خدمت کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ جب بندہ نے انہیں میڈیکل سنٹر بنا کر دیا تو یہ وعدہ لیا کہ میرے مریدوں کے ساتھ دس فیصد رعایت ہوگی۔ اس سے زیادہ ہی رعایت کر کے

دکھائی۔عموماً سپیشلسٹ صاحبان جب ایکسرے، الٹراساوئنڈ یا ٹیسٹ کے لئے کسی کے پاس مریضوں کو بھیجتے ہیں تو اس پر کمیشن لیتے ہیں۔اس حرام کاروبار کی بجائے انھوں نے سب سنٹروں سے یہ بات کی ہوئی تھی کی میں کوئی کمیشن نہیں لوں گا البتہ بعض ایسے مریض میرے پاس آتے ہیں جنھیں میں مفت دیکھتا ہوں، آپ بھی ان کے مفت ٹیسٹ کر کے ثوابِ دارین حاصل کریں۔چنانچہ اس طرح کئی مستحق لوگوں کی خدمت کا ذریعہ بنے۔

ملکی اور غیر ملکی سطح سے ان کی تعزیت کے کئی حسرت بھرے ٹیلیفون، ای میل اور ایس ایم ایس بندہ کو وصول ہوئے۔موت کے بعد انسان کے بارے میں حقائق سامنے آتے ہیں۔ان کی موت پر سامنے آنے والے حقائق سے اس بات کی تسلی ہو رہی تھی کہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ ہمارے سلسلے کی تربیت تھی جس نے انہیں اتنی کامیاب زندگی سے نوازا اور اتنی پرسکون موت نصیب فرمائی۔ان کی بیماری کی طرح کی بیماریوں کی موت پر حدیث میں شہادت کی بشارت آئی ہوئی ہے۔ میرا بیٹا ڈاکٹر وقار آخری وقت ہسپتال میں ساتھ تھا۔بتا رہا تھا کہ روح کے قبض ہوتے ہی ان کے چہرے پر ایک چمک آ گئی۔غسل میں، میں خود موجود تھا۔ساتھیوں نے مشاہدہ کیا کہ غسل کے بعد اس چمک میں اضافہ ہوا۔واقعی جانے والے کے حالات اور آثار بتا دیتے ہیں کہ وہ کس طرف جا رہا ہے۔علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
کہ مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

ترجمہ: تمہیں میں مردِ مؤمن کا نشان بتاؤں۔جب موت
آئے تو اس کے لبوں پر تبسم یعنی مسکراہٹ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ درجے نصیب فرمائے، ان کے خاندان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ان کی ضروریات کا غیب سے بندوبست فرمائے۔

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

ملفوظاتِ شیخ ۔ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۷۸)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

نفس کی کمزوریاں:

فرمایا کہ نفس کی دو کمزوریاں ہیں۔ایک مفاد ہے ایک مزہ ہے۔نفس مزے اور چسکے کے پیچھے چلتا ہے۔انسان کے اندر تین ادارے ہیں۔ان کے واسطے اور ذریعے سے یہ دو چیزیں اپنی کارکردگی کرتی ہیں۔ایک جذبۂ غضب رکھا گیا ہے،ایک رکھا گیا ہے جذبۂ شہوت اور ایک رکھا گیا ہے جذبۂ حرص۔یہ تین جذبے انسان کے دو تقاضوں یعنی مفاد اور مزہ پورا ہونے کیلئے آلۂ کار ہیں۔انسان کے اندر حرص،شہوت اور غضب وہ تین چیزیں ہیں جو ان مفادات کو بنیاد بنا کر انسان کو استعمال کرالیتی ہیں۔

جذبۂ غضب اس کے سارے مفاد،مزے اور ان سب کی حفاظت اور حصول کے لئے اور جو اس کے مقابلے میں آرہا ہو اس کے ساتھ لڑنے جھگڑنے کے لئے انسان کے اندر ہے۔انسان کو کوئی قوت یا کوئی قویٰ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بغیر مقصد کے نہیں دیئے اور نہ یہ قویٰ اس لئے دیئے ہیں کہ ان کو ضائع کرے بلکہ ان کے ساتھ اس کی اہم دینوی اور اخروی ضروریات متعلق ہیں۔اگر غضب اور غصہ نہ ہو تو انسان حق پر قائم ہی نہ رہ سکے،حق کے لئے کھڑا ہی نہ ہو اور حق کو نافذ کرنے کے لئے آگے ہی نہ بڑھے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کو غصہ نہیں آتا وہ تو گدھا ہے۔یعنی جس میں جذبۂ غضب نہ ہو اس کی تو نفسیات ہی درست نہیں۔ہاں جذبۂ غضب کا استعمال ہے کہ وہ اگر قابو میں نہیں ہے اور بے قابو ہو کر استعمال ہو رہا ہے تو اب یہ انسان کی کوتاہی بن گئی۔اسی طرح جذبۂ شہوت یعنی عورت سے ملنے کا جذبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر رکھا ہے۔اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان شادی کرنے اور اولاد پیدا کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔جتنے شادی شدہ یہاں بیٹھے ہیں

ان کی جو حجامت بنتی ہے گھر پر اور ان کی بیویاں جوان کو درست کرتی ہیں وہ اگر آپ سنیں تو پتہ چلے کہ مزے تو تھوڑے ہیں اور مشکلات بہت ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ شادی کیا چیز ہے۔ لَزُومُ مَهْرٍ سُرُوْرُ شَهْرٍ قُصُوْرُ ظَهْرٍ هُمُوْمُ دَهْرٍ نُزُوْلُ قَبْرٍ مُرُوْرُ حَشْرٍ دُخُوْلُ جَنَّةٍ اَوْ نَار یعنی شادی کیا ہے، مہر کا لازم ہونا، ایک مہینے کے لئے سرور و خوشی، پھر کمر کا ٹوٹ جانا اور ساری عمر کا غم، بالآخر موت اور حشر پر سے گزرنا اور جنت یا جہنم میں داخل ہو جانا۔

تو پہلی ذمہ داری انسان پر آتی ہے شہوت کی اور جو نوجوان اس سے کامیابی سے نکل گیا اور پار ہو گیا اس کے لئے آخرت کی کامیابیاں تو ہیں ہی دنیا کی کامیابیاں اور ترقیاں بھی ساری اس کے قدموں میں گرتی ہیں۔ لیکن اس کو درست کرنے کے لئے تربیت لینی ہوتی ہے۔

ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوجوانوں کے آگے ایک مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک ریگمال پر خون گرا ہوا تھا۔ بلی نے اس خون کو چاٹا تو بڑا مزا آیا۔ خون تو تھوڑا ہی تھا، صاف ہو گیا پر بلی کو آیا مزا۔ اس نے مزید زبان رگڑی، اپنی زبان سے خون نکلا۔ اس کو چاٹا اور مزا آیا۔ پھر رگڑا، پھر چاٹا۔ مزے میں اس کو چاٹتی گئی یہاں تک کہ خون تو زبان سے نکل نکل کر پیٹ میں چلا گیا لیکن بلی خود مر گئی۔ تو چاٹنے کے مزے میں اپنا ہی خون ضائع کر دیا۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوجوانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جذباتِ شہوانیہ سے اپنے ہی خون کو ضائع کر لیتے ہو اور پھر کسی کام کے نہیں رہتے۔

ایک بزرگ عالم تھے ۸۰ سال عمر کے۔ ان کے طلباء چھلانگیں لگا رہے تھے۔ حضرت نے ان سے بڑھ کر چھلانگ لگائی۔ طلباء بڑے حیران ہوئے تو انھوں نے فرمایا بچو! نوجوانی میں اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے اس لئے ہڈی پٹھے ابھی بھی مضبوط ہیں۔ اُس وقت اپنی حفاظت کی، اگر نہ کی ہوتی تو اب کسی کام کا نہ ہوتا۔ تو یہ نفس کا مزہ اور چسکا ہے جس کے پیچھے آدمی جاتا ہے، اور تقویٰ والی زندگی کی طرف آتے ہوئے اس کا نفس گھبراتا ہے کیونکہ مزہ چھوٹ جائے گا۔ بعض اوقات دو تین بار مجلسوں

میں ساتھی آتے ہیں پھر آنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے ساتھی بڑے پریشان ہوتے ہیں کہ فلاں بہت آرہا تھا اب نہیں آرہا۔ میں کہا کرتا ہوں آپ فکر نہ کریں یہ نہیں آئے گا۔ پوچھتے ہیں کیوں؟ میں کہتا ہوں کہ اس کے باطن نے مطالبہ کیا ہے زندگی کے بدلنے کا اور یہ اس مطالبے پر ہاں نہیں کہہ رہا۔ اب ہاتفِ غیبی، القائے رحمانی اور فرشتے کی آواز اس کے باطن میں اُٹھ رہی ہے اور اس کو زندگی بدلنے کی دعوت دے رہی ہے کیونکہ اس نے ایک ماحول کو اختیار کیا ہے، پر اب اس کو لے نہیں رہا ہے، اس کو رد کرنا چاہتا ہے، اس لئے مجلس میں نہیں آرہا۔ نوجوانوں کے بارے میں، میں کہا کرتا ہوں کہ اس ماحول سے نکل کر پھر جب گناہوں کے چسکے والے ماحول میں جاتا ہے تو پھر آنے سے گھبراتا ہے کہ اس کا ماحول تو اس مزے اور چسکے کو پھر چھڑا دے گا۔ میرے بھائی! یہ گندگی اور یہ گو کھانا، اس سے نکلتے ہوئے چند دن تک تو آدمی کو تکلیف ہوتی ہے لیکن جس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو تقویٰ والی اور اپنے تعلق والی زندگی نصیب فرماتا ہے تو اس میں اتنی حلاوت، مٹھاس اور اتنا لطف ہے کہ اس کے سامنے دنیا کے سارے مزے گرد ہیں اور کوئی حیثیت نہیں رکھتے اس کے سامنے۔ یہ جذبۂ شہوانیہ جھاڑ جھنکار کی طرح ہے۔ جس طرح ایک زمین کو سنبھالیں نہیں تو اس میں جھاڑیاں کانٹے خود بخود اُگ آتے ہیں۔ جبکہ تقویٰ والی زندگی تو کیلے کا پھل ہے، آم کا درخت ہے، اس کو کاشت کرنا ہوتا ہے، اس کی حفاظت کرنی ہوتی ہے، اس کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ جس وقت اس پر آم لگتے ہیں اور ایک ایک درخت جب پانچ پانچ ہزار کے آم دینے لگتا ہے تو اس کی شاخ کے کوئی قریب بھی جائے تو زمیندار مرنے مارنے پر اتر آتا ہے، کیونکہ یہ اس کی متاع ہے، دولت ہے، سرمایہ ہے جس کے بارے میں اس کو پتا ہے کہ اُس کے کتنے مفاد اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

تو میرے بھائی تقویٰ والی زندگی کی اپنی حلاوت اور مٹھاس ہے اور دنیوی اور اُخروی مفادات ہیں، ان کی آگاہی ہو جاتی ہے۔ مشق کر کے اس کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ اگر اس کو برتتا ہے، اس کو اختیار کرتا ہے، اس کے فوائد جب یہ اٹھاتا ہے تو پھر آپ اس پر حملہ کر کے بھی اس سے نہیں

چھین سکتے۔

کسی کو سمجھ ہو تو عبرت کا بہت سامان ہے:

فرمایا کہ جب افغانستان میں انقلاب آیا اور وہاں کے سربراہان پاکستان آگئے تو حکومتِ پاکستان یہ چاہتی تھی کہ ان کی آؤ بھگت کی جائے اور ان کی بات کو سنا جائے۔ خاص طور سے ان کے اوپر جو حالات آئے ہیں ان کی معلومات لی جائیں تاکہ ہمارے ملک میں یہ حالات نہ آئیں۔ ہمارے حضرات بھی یہ چاہتے تھے کہ ان کو بلایا جائے اور ان کے سامنے یہ بات اجاگر کی جائے کہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ مسلمان کا خاتمہ ہوا ہو اور اس سے اسلام کا خاتمہ ہوا ہو، بلکہ ہمیشہ پہلے اسلام کا خاتمہ ہوا ہے پھر مسلمان کا خاتمہ ہوا ہے۔ جب مسلمان کی زندگی سے اسلام نکلا ہے پھر مسلمان ختم ہوا ہے۔ میں سیاسیوں کی اس بات کا بھی بہت مخالف ہوں جو کہا کرتے ہیں کہ اسلام خطرے میں ہے۔ اسلام کبھی خطرے میں نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ خطرے میں تُو ہے جو اس کو ترک کر کے اپنے لئے مصیبت کا دروازہ کھول رہا ہے۔

تو اس سلسلے میں ایک دعوت کی گئی جس میں پروفیسر برہان الدین ربانی بھی آیا جو بعد میں ان کا صدر بھی بنا۔ ہمارے حضرات نے مجھ سے فرمایا کہ آپ اس کے پاس بیٹھیں گے اور اس سے بات چیت کریں گے۔ میں نے ان سے کہا: پروفیسر صاحب! آپ کے ملک کو روس نے فوج اور اسلحہ سے فتح نہیں کیا بلکہ آپ کے ملک کو روس نے اپنے نظریے اور عقیدے کی تبلیغ سے فتح کیا ہے۔ آپ کے نوجوانوں کو لے جاتے گئے، ان کو اعلیٰ تعلیم دیتے گئے، ساتھ اپنا عقیدہ، اپنا نظریہ، اپنی ثقافت، اپنی تہذیب اور اپنی چیزوں کا ان کو عادی بناتے گئے یہاں تک کہ جب انھوں نے دیکھا کہ اب اتنا طبقہ ہو گیا ہے کہ ہم اپنی فوج اتاریں تو اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی تو تب فوج اتاری ہے۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ پروفیسر صاحب آپ کے مسئلے کا ایک عارضی حل ہے اور ایک دائمی حل ہے۔ فوری حل یہ ہے جو آپ جنگ کر رہے ہیں، قتال کر رہے ہیں، لڑ رہے ہیں، اس وقت یہ

بہت ضروری بات ہے، اس وقت تو لڑنا چاہیے، اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے کہ وہ تو اسلحہ لے کر آپ پر حملہ کرلیں اور آپ کہیں کہ پہلے ان کو ہم دعوت دیں گے، پھر جزیہ کا کہیں گے، پھر لڑیں گے۔ یہ باقاعدہ فقہی شرعی مسئلہ ہے کہ اس وقت تو کھڑے ہو کر اس کی یلغار کو روکنا ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب دائمی حل آپ کے مسئلہ کا یہ ہے کہ آپ کی نوجوان نسل کے دل میں جب تک اسلام پکا اور راسخ نہیں ہوگا آپ لوگ محفوظ نہیں ہیں۔

آدمی کافی سمجھدار تھا۔ سوائے جو افغانیوں کی بنیادی کمزوری ہے، اس کے علاوہ کافی سمجھدار آدمی تھا۔ کہا واقعی یہ بات ٹھیک ہے۔ افغان کی بنیادی کمزوری کیا ہے؟ صبر نہ ہونا، معاف نہ کرنا اور پیسہ مل رہا ہو تو اپنے بھائی کو قتل کرنے کیلئے تیار ہو جانا! بس یہ وہ تین بنیادی کمزوریاں ہیں جس کی پاداش میں افغانستان جل رہا ہے۔ پروفیسر ربانی صدر بنے اور وعدہ کیا کہ چھ مہینوں میں انتخابات کروائیں گے لیکن وعدے سے مکر گئے۔ اسی چیز نے جنگ وجدال کا دروازہ کھول دیا۔ آخر ردِعمل میں طالبان کی حکومت آئی جو ایک رحمت تھی لیکن پروفیسر ربانی کی انا اسے قبول نہ کرسکی۔ اگر اقتدار اس کے ہاتھ میں ہوتا تب تو اسلام کے لئے تیار تھا لیکن اقتدار اگر دوسرے کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسلام نافذ کرے تو ربانی کی انا مطمئن نہیں تھی۔ آخر طالبان سے لڑا اور شکست کھا کر بھاگا۔ جب امریکی حملہ آیا تو امریکیوں کا ساتھی بن کر طالبان کے خلاف لڑا۔ جب امریکی حکومت قائم ہوئی تو ان کا ساتھی بن کر ان کے ساتھ کام کرنے لگا۔ ابھی دنیا کمانے کے ارمان باقی ہی تھے کہ موت نے دھماکے کی شکل میں آلیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار.

کسی کو سمجھ ہو تو عبرت کا بہت سامان ہے۔

اطاعت رسول اطاعت الٰہی ہے:

فرمایا کہ حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے بارے میں آیا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ. اے پیغمبر ﷺ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کررہے ہیں تو اس کا ثبوت یہ دینا پڑے گا کہ تم میرا اتباع کرو۔ یعنی حضور ﷺ کا اتباع کیا جائے، حضور ﷺ کی بات کو مانا جائے، تو یہ گویا محبت کا ثبوت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال سے اور حضور ﷺ کی ذاتِ باکمال سے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کر رہے ہو تو اللہ پاک کی اطاعت کروگے، حضور ﷺ سے محبت کروگے تو آپ ﷺ کے طریقوں پر چلو گے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ (جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے اطاعت کی اللہ کی) اطاعتِ رسول اطاعتِ الٰہی ہے۔ دوسری جگہ پر دونوں کو ملا کر بیان فرمایا گیا ہے اَطِیْعُ اللّٰہَ وَ اَطِیْعُ الرَّسُوْل کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اس طرح اس آیت میں علیحدہ بیان کیا گیا ہے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ (جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے اطاعت کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی) تو اطاعت رسول جو ہے وہ اطاعت الٰہی ہے۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ سارے احکامات قرآن پاک بیان نہیں کرے گا، احکامات کا ایک حصہ وہ ہوگا جو اطاعتِ رسول ﷺ کے لئے چھوڑا جائے گا، اس کو آپ ﷺ بیان کریں گے۔ اس لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرۃ:۴۳) (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)۔ اب اس نماز کو کیسے پڑھو، کس ترتیب سے پڑھو، کتنی رکعتیں پڑھو، یہ بات ثابت نہ ہوئی۔ اس لئے ان کے اوقات کو حدیث میں حضور ﷺ نے بیان فرمایا اور جبرئیل علیہ السلام آئے، انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے رکوع، سجدہ کیا اور آپ ﷺ نے احادیث کی شکل میں اس کو بیان کرکے امت کے پاس اس کا ریکارڈ چھوڑا اور عملی طور پر صحابہ کرامؓ کے سامنے کرکے ان کی تفصیلات بتائیں۔

جبرئیلؑ ایک دن آئے اور انہوں نے ظہر کی نماز کا پہلا وقت بتایا پھر آخری وقت بتایا۔ تو اوقات کی تفصیل بھی جبرئیلؑ نے آکر بتائی کہ یہ سب سے پہلا وقت ہے اور یہ سب سے آخری وقت ہے تاکہ انسانوں پر سختی نہ رہے اور وقت میں کافی گنجائش ہو۔ کیونکہ کسی نے اگر سفر پر جانا ہے، کسی کی

نوکری ہے، ملازمت ہے، پوری گنجائش ان کو دی ہے کہ صبح کی نماز کا وقت آج کل ۳:۴۸ سے شروع ہوتا ہے اور ۴:۵۰ تک ہوتا ہے۔ اب پڑھنے کے لئے افضل وقت کیا ہوگا؟ افضل وقت ایسا ہو کہ جب خوب روشنی پھیل جائے تاکہ بوڑھے آدمیوں کو، کمزور نظر والے آدمیوں کو آتے ہوئے تکلیف نہ ہو، راستہ ان کو نظر آئے، راستے پر چلتے ہوئے روشنی ہو۔ اتنی روشنی ہو کہ سانپ، بچھو نظر آ رہا ہو۔ پرانے زمانے میں شیر، بھیڑیا وغیرہ ہوتے تھے، جب روشنی پھیل جاتی تھی تو وہ بھی راستوں کو چھوڑ کر، کھلی جگہوں کو چھوڑ کر پناہ کی جگہوں پر چلے جاتے تھے۔ تو یہ ساری تفصیلات ہیں جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ پھر امت کے ذمے اپنے وقت میں پیش آنے والے حالات کے مطابق غور و فکر کی مزید گنجائش چھوڑی ہے۔ یہ غور و فکر فقہ کے چار اماموں نے کیا ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَکَّرُوۡنَ (نحل: ۴۴)

اور اسی طرح ہم نے آپ ﷺ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو ہدایت (آپ ﷺ کے واسطے سے) لوگوں کے پاس بھیجی گئی ہے وہ ہدایت آپ ﷺ ان کو واضح کر کے سمجھا دیں اور تاکہ وہ ان میں غور و فکر کیا کریں۔ (معارف القرآن)

تو بھائی میرے! جناب رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہی ساری کامیابیاں پوشیدہ ہیں۔

نسبتِ انعکاسی سے نسبتِ اتحادی تک پہنچنے کے لئے ایک خاص تربیت سے گزرنا ہوتا ہے:

فرمایا کہ مولوی امین صاحب جو ہمارے صوابی والے مدرسے کا مہتمم ہے وہ آیا اور رویا۔ میں نے کہا کیوں روتے ہو؟ کہنے لگا کہ تعلیم تو میں دے رہا ہوں مگر تربیت کا بندوبست نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب تربیت تو تعلیم کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اِس وقت جتنا ہو سکتا ہے کرو کیونکہ یہ ایک اہم مرحلہ ہے۔ طالبِ علم کو الفاظِ علم اور ان کا معنیٰ متعین کر کے دینا ہے کہ وہ اس کو سمجھ آ جائے۔ تربیت اتنی آسان چیز نہیں ہے۔ وہ تیسرا مرحلہ ہوتا ہے۔ ابھی جتنی کوشش آپ سے ہو سکتی ہے کر لیں۔

الفاظ معانی کے بعد تربیت تیسرا مرحلہ ہے، وہ تو بعد میں ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم اور آپ تو اپنے بارے میں، گھر کے بارے میں، اپنی اولاد کے بارے میں اور اسلامی معاشرے کے بارے میں کوئی فکر ہی نہیں کررہے ہے کہ اس کی تربیت ہو، زندگی سدھرے، اندر تزکیہ اور تقویٰ آئے اور اس کا حال بدلے۔

حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى میں "قَدْ" ہوگیا تحقیق۔ "اَفْلَحَ" ہوگیا فعل۔ "مَنْ" ہوگیا موصول۔ اور "تَزَكّٰى" ہوگیا صلہ۔ تو یہ صلہ ہے، یہ موصول ہے، یہ جار ہے، یہ مجرور ہے، یہ فاعل ہے، یہ مفعول ہے، یہ جو سیکھ لیا اس نے تو کہتا ہے دوسرے سے کہ بس میں نے سب کچھ سیکھ لیا۔ ٹھیک ہے کہ یہ صلہ اور وہ موصول تھا اور یہ جار اور وہ مجرور تھا لیکن میرے برخوردار تَزَكّٰى کا مفہوم تو صلہ، موصول اور جار، مجرور والی بحث سے مکمل نہیں ہوا۔ وہ تو باطن کا ایک حال اور کیفیت ہے، باطن میں حاصل کرنے کی ایک چیز بیان ہوئی ہے۔ وہ تو اس ساری بحث کے بعد آدمی پوچھتا ہے کہ تَزَكّٰى کیا چیز ہے؟ پھر اس کو مشائخ تزکیہ کی محنت، مشقت اور مجاہدے میں ڈالتے ہیں۔ پھر اس رگڑا رگڑی، کھینچا تانی اور دھینگا مشتی کے بعد جب آدمی نفس کو قابو کرنے کے لئے یہ سارے پاپڑ بیلتا ہے تو اس کے باطن میں تزکیہ اور تقویٰ قرار پکڑتے ہیں۔ یہ اثر پہلے مشائخ کی صحبت میں آنے سے ایک عارضی عکس کی شکل میں قلب پر آتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان کا حال اور اعمال ایک کامل اصلاح یافتہ آدمی کی طرح ہوجاتے ہیں۔ لیکن انعکاسی حال پکا نہیں ہوتا۔ ماحول بدلنے سے زائل ہوجاتا ہے۔ جب ایک عرصۂ دراز مشائخ کی صحبت میں رہ کر مجاہدات اور تربیت سے آدمی گزرتا ہے تب انعکاسی چیز اتحادی بنتی ہے یعنی اس کے اندر گہرا قرار پکڑتی ہے۔ اور اس کے بعد اس کے سارے بدن کے اعمال میں استعمال ہونے کو متاثر کرتی ہے۔ یہ حال جب اتحادی ہوجائے تو اس کے بعد ماحول کے بدلنے سے زائل نہیں ہوتی۔

دنیائے اسلام کے احمق فرمانروا اقتدار سے ایسے چمٹتے ھیں کہ جب تک گھسیٹ کر نہ گرائے جائیں یا ان کی لاش خاک و خون میں نہ تڑپائی جائے

تب تک پیچھے نہیں ہٹتے:

فرمایا کہ پاکستان میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے اسلامک سمٹ (Islamic Summit) منعقد کرائی تو اس کے بعد قذافی سے پاکستان کا دورہ کرایا۔ اس سلسلے میں اس کی پشاور آمد ہوئی اور ایک نشست پشاور یونیورسٹی میں بھی ہوئی۔ اس وقت سرخ پوش لیڈر خان عبدالغفار خان کا بیٹا پروفیسر علی خان پشاور یونیورسٹی کا وائس چانسلر تھا۔ اس نے حکومت سے کہا کہ وہ پولیس فورس کے بغیر اپنی یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء ہی کے ذریعے تقریب کو کامیاب بنائیں گے۔ اسلامیہ کالج کے بڑے گراؤنڈ میں جلسہ منعقد ہوا۔ واقعی خان موصوف نے تقریب کو کامیاب کر کے دکھایا۔ بھٹو کی تقریر کے بعد قذافی کی تقریر ہوئی۔ چالیس سالہ جوان، خوب جذباتی، جوش وخروش کا مظاہرہ کرنے والا۔ ہوش، عقل، فہم بس گزارے لائق۔ بندہ ان کے سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ قذافی کی شخصیت دینی لحاظ سے بھی کچھ پرکشش نہیں تھی۔ اخبارات نے تو لکھا کہ عوام کو بہت سہولتیں پہنچائی تھیں لیکن سہولتوں کے بعد عوام کا اس قدر بپھرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ پاکستان کے کچھ دینی اداروں کے بھی اس کے ساتھ تعلقات تھے۔ مختلف عالمی تحریکوں کی مدد بھی کرتے تھے لیکن ایک بات جو بندہ کے سامنے آئی عجیب تھی کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ مختلف ممالک میں جو لیبیا کے طلباء وقت لگا لیتے تھے اور شرعی اسلامی زندگی اختیار کر لیتے تھے ان کا اس حلیے میں لیبیا واپس جانا مشکل ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے تو بتایا کہ ہمیں جان کا خطرہ لاحق ہے۔ اللہ ہی دنیائے اسلام پر اپنا فضل فرمائے اور اس کو دیانت، امانت، شجاعت، صداقت اور عدالت والے حکمران نصیب فرمائے۔ مغربی دنیا کے عیسائی زیادہ سے زیادہ دو دفعہ صدارت یا وزارتِ عظمیٰ کا دورانیہ گزار کر بالکل گمنامی کی زندگی میں چلے جاتے ہیں اور خوب پُر لطف زندگی گزارتے ہیں۔ جبکہ دنیائے اسلام کے احمق فرمانروا اقتدار سے ایسے چمٹتے ہیں کہ جب تک گھسیٹ کر نہ گرائے جائیں یا ان کی لاش خاک وخون میں نہ تڑپائی جائے تب تک پیچھے نہیں ہٹتے۔ بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اقتدار کے ساتھ ان کے ایسے فاسد مفادات وابستہ ہوتے ہیں کہ یہ تو کمبل کو

چھوڑتے ہیں کمبل انہیں نہیں چھوڑتا۔آخر۴۲سالہ آمرانہ اقتدار(Dictatorship) مکمل کرنے کے بعدقذافی کومخالفین نے موت کے گھاٹ اتاردیا۔

صحابیت کی شان ھے کہ اپنے مؤقف پر ڈٹنا جو صحابی کو حاصل ھے وہ غیر صحابی کو نھیں حاصل:

فرمایا کہ تین صحابہؓ تھے۔ان کے نام بھی آئے ہوئے ہیں کتابوں میں، میرا مطالعہ چونکہ بہت پہلے کا ہے اس لئے مجھے نام یادنہیں۔ان کو کافروں نے گرفتار کرلیااوراپنے سردارکو بتایا کہ یہ محمد ﷺ کے صحابہؓ ہیں اور صحابہؓ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کو اپنی بات سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔صحابیت کی شان ہے کہ اپنے مؤقف پر ڈٹنا جو صحابی کو حاصل ہے وہ غیر صحابی کونہیں حاصل۔انھوں نے کہا کہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ان کو اپنے مؤقف سے نہیں ہٹایا جاسکتا، مفاداورمزہ دوایسے ہتھیار ہیں کہ کسی پر استعمال کروتو کیسے قابو میں نہیں آتا۔وہ انھیں ترغیبیں دیتے رہے دیتے رہے لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔آخر انھوں نے تیل ابالا اوردوساتھیوں کواس میں گرایااوروہ شہادت کے مقام پر سرفراز ہوئے۔اب ایک ہی آدمی رہ گیا،اس کے بارے میں وزیر نے سوچا کہ یہ بڑا خوبصورت اورقابل نوجوان ہے اس کو تو قابو میں لانا چاہیے۔اس نے کہا کہ اسے آگ میں نہ پھینکیں، اس کو ہم ٹھیک کردیں گے،آپ اسے ہمارے حوالے کردیں۔اس نوجوان صحابی کواس وزیر کے حوالے کردیا گیا۔وزیر نے اسے اپنی نوجوان لڑکی کے حوالے کیااورکہا کہ جو کچھ بھی تجھ سے ہوسکے کرلے،بس اس آدمی کوتم نے متاثر کرنا ہے۔اس لڑکی نے ہرطرح کی کوشش کی،اکٹھے ایک جگہ رہتے ہوئے کافی دن گزرگئے مگر وہ لڑکی کسی طرح بھی انہیں متاثر نہ کرسکی کیونکہ وہ مزے یا مفاد کے راستے ہی سے صحابی کومتاثر کرسکتی تھی، جبکہ توحید پکی تب ہوتی ہے جب مزہ اورمفاد ذاتِ ذوالجلال کے تعلق پر قربان ہوجائیں۔اورصحابی تو ایسے ایمان والا ہوتا ہے کہ مفاداورمزے کواللہ تعالیٰ کی ذات پر قربان کیا ہوا ہوتا ہے۔تو جس چیز کو قربان کرچکا ہو پھراس کی طرف کیسے آئے گا!

بالآخر لڑکی متاثر کرنے کی بجائے خود ان سے متاثر ہوگئی۔ ان نے کہا کہ اے اللہ کے بندے تُو تو میرے قابو میں نہ آیا لیکن میں تجھ سے متاثر ہوگئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تُو میرا ہوجائے۔ اب تُو جو بھی کہے گا میں وہ ماننے کو تیار ہوں۔ صحابیؓ نے اس کو دعوت دی ایمان قبول کرنے کی اور آخرت کی۔ اس نے کہا میں تیار ہوں۔ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ دو گھوڑے ہمیں دیئے جائیں تاکہ میں اسے سیر کراؤں، گھماؤں پھراؤں کیونکہ یہ اس گھٹن والے ماحول میں متاثر نہیں ہو رہا۔ تو دونوں وہاں سے نکلے گھوڑوں پر اور چلے آئے۔ کہیں صحرا میں ان کی رات آئی۔ رات کو دونوں شہداء صحابہؓ جنھیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈال کر شہید کیا گیا تھا حالتِ بیداری میں زندہ سلامت صورت کے ساتھ آئے۔ انھوں نے کہا کہ ان دونوں صحابہ کو دیکھ کر ہم بہت خوش ہوئے۔ ان سے پوچھا کہ آپ کیسے یہاں آئے؟ انھوں نے کہا: ''ہم آپ کے نکاح کی رسم میں شامل ہونے کے لئے آئے ہیں۔''

سچ بات ہے کہ دشمن کو پچھاڑ لینا اور بھینسے کو پچھاڑ لینا اس میں اتنا لطف نہیں ہے جتنا نفس کو پچھاڑنے میں ہے۔ جب خواہشِ نفس انسان کے قابو میں آتی ہے تو پھر انسان کو زندگی کا لطف آتا ہے۔ زندگی کا لطف اس دن سے شروع ہوتا ہے جس دن سے اس کو اپنے نفس پر غلبہ ملتا ہے اور وہ اس پر قابو پاتا ہے۔ مگر ہم اور آپ نے اپنے آپ کو فضولیات اور فضول ماحولوں میں لے جاکر، فضولیات میں لگ کر، فضول چیزوں سے آشنا ہوکر اپنے آپ کو ضائع کیا ہوا ہے۔ نہ اپنے بارے میں، نہ اپنی اولاد کے بارے میں، نہ امتِ مسلمہ کے بارے میں اور نہ ہی گردوپیش کے بارے میں کوئی فکر ہے۔ تربیت کرانا، تربیت لینا، اس کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔

نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟

فرمایا کہ برطانیہ میں ہمارے سلسلے والے ڈاکٹر صاحبان میں سے ایک نے بتایا کہ اس سال برطانیہ نے نرسیں فلیپائن (Philippines) سے منگوائی ہیں۔ پوچھا وہ کیوں؟ ان کی اپنی نرسیں نہیں

ہیں؟ انھوں نے کہا کہ جس عمر میں نرسنگ (Nursing) کا پیشہ سیکھتے ہیں اس عمر میں ان کی لڑکیاں بدکاری کے پیچھے پڑی ہوتی ہیں تو سیکھ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے پاس آدمی ہی نہیں ہیں تو اس لئے فلیپائن سے منگوائیں۔ کام کی چیز تو وہ آدمی سیکھتا ہے جو جذباتِ شہوانیہ کو قابو میں لاتا ہے۔ تب اس آدمی کا مستقبل بنتا ہے۔ اس کی آخرت بھی بنتی ہے اور دنیا بھی، ورنہ کلہاڑا لے کر اپنے پیروں پر مار کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کرنے کا بندوبست کیا ہوا ہوتا ہے۔

اس کے مقابلے میں انسان کا جو باطن ہے، اس کا جو قلب ہے اس میں نیک خیالات، نظریات، عقائد، سوچیں اور اس طرح کی چیزیں اندر داخل ہوتی ہیں اور قرار پکڑتی ہیں، اس کے بعد جڑ پکڑتی ہیں پھر پھلتی پھولتی ہیں اور جب وہ باطن میں پکی ہو جائیں تو اسے ''نسبت'' کہتے ہیں۔

الف اللہ چمبے دی بُوٹی، مرشد من وچ لائی ہُو
مرشد باہُو ہر دم جیوے، ایہ بُوٹی جس لائی ہُو
اندر بُوٹی خوشبو مچائی، جاں کھلن پر آئی ہُو
واہ مرشد تینے دے باہُو، ایہ بُوٹی جس لائی ہُو

ترجمہ: الف تو اللہ کا نام ہے اور یہ نام تو چنپا پھول کا پودا ہے۔ یہ پودا مرشد نے میرے دل میں کاشت کر دیا۔ مرشد باہُو ہمیشہ زندہ رہے جس نے یہ پودا (میرے دل میں) کاشت کیا۔ جب یہ پھول کھلنے پہ آیا تو اس نے اندر خوشبوؤں کی بکھیر کی۔ واہ واہ تمہاری شان اے مرشد باہُو جس نے کہ یہ پودا کاشت کیا۔

کاشتی تخمِ محبت در دلِ من کاشتی
آخرش دادایں مُرا چیزے کہ تو خود داشتی

ترجمہ: کاشت کر لیا محبت کا بیج، تُو نے میرے دل میں کاشت کر لیا۔ آخر جو چیز تیرے دل میں تھی وہ میرے دل میں بھی ڈال دی۔ (جاری ھے)

تین باتوں پر وعید

(جناب حضرت گوہر رحمان نقشبندی فریدی صاحب ایڈووکیٹ)

عن ابی زر عن النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ثلاثہ لا یکلمھم اللّٰہ یوم القیامۃ ولا ینظر الیھم و لا یزکیھم و لھم عذاب الیم: قال: فقراھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاث مرارا، قال: ابوذرّ خابوا و خسروا، من ھم یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟ قال: المسبل والمنّان وا لمنفق سلعتہٗ بالحلف الکذب. (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک وصاف کریگا (معاف کرے گا) اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ تو سخت نقصان اور خسارے میں ہونگے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا اور دے کر احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔

اس حدیث مبارکہ میں تین آدمیوں کو وعید شدید سنائی جارہی ہے:

۱۔ اسبال کرنے والا۔ ۲۔ احسان جتانے والا۔

۳۔ جھوٹی قسم سے سامان فروخت کرنے والا۔

حدیث مبارکہ میں تین قسم کے اشخاص سے ناراضگی کا تذکرہ ہے اور معاشرہ میں جس طرف بھی نظر دوڑائیں، چارسو یہ قباحتیں دیکھنے کو ملیں گی۔ مرد حضرات کے لئے صریح حکم ہے کہ اِزار، شلوار اور جو بھی اس قسم کے پہننے کی چیز ہو، ٹخنوں سے اوپر رکھا کریں ورنہ نتیجتاً اللہ تعالیٰ روز قیامت بات نہیں

کریگا، نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ ہی گناہ سے پاک وصاف کریگا۔

۱۔ اسبال کرنے والا:

حدیث میں جن تین اشخاص کو وعید سنائی جارہی ہے، ان میں پہلا شخص ''مسبل'' ہے یعنی پائے جامہ، شلوار، لنگ یا کسی بھی پہننے کی چیز کو ٹخنوں تک لٹکانے اور ٹخنوں کو اس سے چھپانے والا ہے۔ اکثر لوگوں کو کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ یہ حکم تو ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل میں کبر ہوتا ہے اور ہمارے دل میں کبر نہیں ہے۔ کبر کی دو صورتیں ہیں، ایک ہے حقیقتِ کبر اور دوسری ہے صورتِ کبر۔ اس حدیث کی تشریح میں محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ جس طرح حقیقتِ کبر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اسی طرح صورتِ کبر بھی اللہ کو مبغوض اور عنداللہ مذموم ہے کہ ظاہر باطن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسلام تواضع، خاکساری اور عبدیت کا سبق دیتا ہے۔ وضع قطع اور لباس میں متواضعانہ ادائیں اسلام کی بہترین تعلیم ہے۔ اگر شلوار یا جامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھے اور نیت بھی کبر کی ہو تو شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن اگر تکبر کی نیت نہ بھی کرے، تب بھی ممنوع ہے۔ ''ولو کان من غیر خیلاء.'' مرتکب اگرچہ آغاز میں تکبر کی نیت نہ کرے لیکن عادت پڑ جانے پر تکبر آہی جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب یہ ارشاد سنا تو عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کبھی بے خیالی میں اگر کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو جائے تو کیا ایسی صورت میں بھی وعید باقی رہے گی؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپؓ اس سے مستثنیٰ ہیں، ''لست منھم.''

اب رہا یہ سوال کہ حدودِ اسبال کیا ہیں؟ یعنی کہاں تک شلوار پاجامہ وغیرہ رکھا جائے؟ اس بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے اسبال کی حدود متعین کی ہیں۔

رجال (مردوں) کے لئے اسبال کی دو حالتیں ہیں:

۱۔ استحباب: نصفِ ساق (آدھی پنڈلی) تک ہو ''وھو ان یقتصر با لازار علیٰ نصف السّاق''.

۲۔ جواز: کہ کپڑا ٹخنوں سے اوپر تک ہو ''و ھو الی الکعبین.''

خواتین کی بھی دو حالتیں ہیں:

۱۔ استحباب: رجال کے جواز کی جگہ سے ایک بالشت نیچے ہو۔

۲۔ جواز: یہ ہے کہ ایک ذراع لمبی ہو یعنی ٹخنوں سے کچھ نیچے ہو۔

یہ فعل کبائر میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر شدید وعید فرمائی ہے۔

حدیث میں ازار کے ذکر سے خصوصی ازار ہی مراد نہیں بلکہ ہر لباس جو ٹخنوں سے نیچے چلا جائے، ممنوع ہے، جبہ، کرتہ، کوٹ، قمیص، پتلون وغیرہ۔

علامہ نوویؒ بھی اس کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہر کپڑے کا ایسا استعمال ممنوع ہے جیسے کہ حدیث میں ہے:

''الاسبال فی الازار و القمیص والعمامة، من جر شیئا خیلاء لم ینظر اللّٰہ الیہ یوم القیامة''

عزیزانِ من! اتنی سی بے احتیاطی برتنے سے اللہ تعالیٰ کی ایسی ناراضگی کہ روز قیامت جس دن ہر بندہ بشر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت کا محتاج ہوگا لیکن وہ رحیم و کریم رب نظر التفات نہیں فرمائیگا۔ وہ 'یوم الساعة' کہ ہر کوئی چاہے گا کہ اس کی تقصیرات پاک وصاف ہو جائیں لیکن صرف اس چھوٹے اور بلا مشقت عمل سے اس کا نامہ اعمال صاف نہیں کیا جائیگا۔ اور اس روز جو بذاتہٖ بہت سخت اور طویل ہے، صرف اس ایک عملِ قبیح کی وجہ سے عذاب نہیں بلکہ دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔

۲۔ احسان جتانے والا:

اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (البقرة: ۲۶۱)

(مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو (اور) اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے

جس کے لئے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسکی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اسکی راہ میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا ثواب عطا فرماتا ہے۔ بلکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک عطا فرما دیتا ہے۔ ارشد عظیم آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

مال کی کثرت اگر منظور ہے خیرات کر
ایک کے دنیا میں دس، عقبٰی میں ستّر دیکھ لے

اس شخص کے لئے بھی وعید ہے جو کسی آدمی کو کوئی چیز از قسم زکوٰۃ، صدقہ یا خیرات دے اور پھر اس پر وہ احسان جتاتا پھرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى (البقرۃ:۲۶۴)

اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر۔

تفسیر ابن کثیرؒ میں اس آیت کے تحت درج ہے، "یعنی اے ایمان والو! صدقہ و خیرات کے بعد احسان جتلا کر اور اذیت دے کر اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔ احسان جتلانے سے اور اذیت پہنچانے کے گناہ سے صدقہ کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔" جو کوئی صدقہ خیرات کرتا ہے تو یا تو وہ لوگوں کو دکھانے اور نمود و نمائش کے لئے کریگا یا اللہ کی رضامندی کے لئے۔ اگر اللہ کی رضامندی مقصود ہے تو پھر چاہیئے کہ کسی کے ساتھ بھلائی کر کے اسے بھول جائے نہ کہ اس کا تذکرہ کرتا پھرے یا اس شخص پر احسان جتلاتا رہے۔ اس طرح کرنے سے وہ اپنی نیکی کو برباد کر دیتا ہے۔

صدقہ و خیرات پر دو قسم کے نتائج مرتب ہونگے۔

۱۔ اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (البقرۃ:۲۶۲)

(جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ احسان

جتاتے ہیں اور نہ دکھ دیتے ہیں انہیں کے لئے ثواب ہے ان کا ان کے رب کے پاس، نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے)

۲۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی لا کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَایُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا ط وَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (البقرۃ:۲۶۴)

(اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اس آدمی کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو، پھر برسے اس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اسے چٹیل صاف پتھر)

جب کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اور پھر بھلائی کرنے والا اس پر احسان جتا کر اسے اذیت دیتا ہے تو اس بے چارے کا کوئی بس چلتا نہیں کہ اسکے صدقہ خیرات کو اسے واپس کردے کہ اس کے اس اذیت ناک فعل سے جان چھڑا لے اور اسطرح وہ ہر لمحہ مرتا ہے جو بھلائی کرنے والے کے حق میں بہت بری بات ہے۔

۳۔ جھوٹی قسم سے سامان فروخت کرنے والا:

یہ مرض بھی ہمارے معاشرہ میں بہت عام ہے۔ گویا یہ ایک کلیہ عام بنا ہوا ہے کہ گاہک دکاندار کی قسم کے بغیر اس سے خریداری نہیں کرے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ مشتری کو بائع پر اعتماد قطعاً نہیں ہوتا اور مشتری کا بائع پر عدم اعتماد بالکل صحیح ہے۔ اکثر لوگوں کے مشاہدہ میں آیا ہوگا کہ کسی دکاندار سے کوئی چیز لیں تو بھاؤ تاؤ کرتے وقت واضح پتہ چلتا ہے کہ یہ دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کپڑا لباس کے لئے کوئی خریدتا ہے، دکاندار اسکی قیمت ایک ہزار روپے بتاتا

ہے۔گاہک کہتا ہے سات سو روپے میں دیدو۔دکاندار قسم اٹھا کر کہتا ہے،اسکی اپنی خرید آٹھ سو روپیہ ہے۔گاہک اپنی قیمت پر اڑا رہتا ہے اور آخر جا کر وہ کپڑا ساڑھے سات سو روپے میں بیچتا ہے۔کون بیوقوف ہوگا جو خسارے کا کاروبار کرے اور آٹھ سو کی خریدی ہوئی چیز ساڑھے سات سو روپیہ میں بیچے؟ صاف ظاہر ہے کہ اس نے جھوٹی قسم کھا کر کپڑا بیچنے کی کوشش کی۔ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر سامان تو بیچا جائیگا لیکن اس میں برکت نہیں ہوگی۔

قال ابا هريرة سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقولُ الحلفُ منفعة للسلعة ممحقة للبركة

(ابو داؤد ج:۲ ص:۵۸۷ باب فی کراھیة الیمین فی البیع ح:۱۵۴۰)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قسم سامان کو بکوانے والی اور برکت کو مٹانے والی ہے)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب سے پہلے مجھے اس حدیث مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بعدہٗ آپ سب حضرات وخواتین کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔اگر مجھ فقیر سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو اللہ کریم کے دربار میں توبہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔

اللّٰهم صل علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ و بارک وسلم .

(صفحہ نمبر ۵۹ سے آگے) بادشاہ پر سکوت برابر طاری تھا کہ اتنے میں بادشاہ کا باپ (آقا) آگیا۔

بادشاہ نے سوال کیا: ''یہ چادر کس کی ہے؟''

آقا نے کہا: ''میری ہے۔''

بادشاہ نے کہا: ''یہ سابقہ ملکہ کے گھر کیسے پہنچی؟''

آقا نے برہنہ جوڑے کو اسی چادر سے ڈھکنے کا واقعہ سنا دیا۔بادشاہ نے قصہ سنا تو سجدے میں گر گیا اور کہا: ''اللہ تیرا شکر ہے تو نے بے گناہ کے خون سے میری تلوار کو آلودہ ہونے سے بچالیا اور مجرم کو اس کے انجامِ بد تک پہنچا دیا۔''

(بشکریہ روزنامہ اسلام)

(قسط۔۷)

شیخ الہندؒ کا احسانی و عرفانی مقام

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی)

شیخ الہندؒ کا وعظ:

وعظ شروع فرمایا، جس میں فقہ کے مسائل خوب بیان فرمائے۔ علمائے کان پور یہ سمجھتے تھے کہ دیو بند اور سہارن پور کے علما معقولات نہیں جانتے، فقہ خوب جانتے ہیں۔ اسی اثنا میں مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھیؒ تشریف لے آئے ـــــ شیخ الہندؒ نفس کشی کے موقعے کی تلاش میں رہتے تھے۔ جہاں کوئی ایسا موقع آیا جس سے نفس کو حظ (مزہ) اٹھانے کا موقع ملے یا کوئی ایسی بات ہو جس سے اپنی بڑائی یا عظمت جھلکتی ہو شیخ الہندؒ اس وقت نفس کشی کا سامان مہیا کر لیتے تھے۔ ان کی ذات وقتی تأثرات و جذبات سے بالکل غیر متاثر اور لاتعلق ہو چکی تھی۔ مولانا لطف اللہؒ کی آمد اور شیخ الہندؒ کی للّٰہیت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

"جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ بھی کان پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عرض کرنے پر جلسے میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے۔ اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں۔ مولاناؒ کی جوں ہی مولانا علی گڑھیؒ پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ بہ وجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے، انھوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا۔ فرمایا ہاں! یہی خیال مجھ کو آیا تھا، اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہارِ علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔" (اشرف علی تھانویؒ، "ذکر محمودؒ"، مشمولہ تذکرہ شیخ الہندؒ، صفحہ ۵۳۰)

شیخ الہندؒ: ترجمہ قرآن کی اشاعت کے لیے تلامذہ کی تصدیق: بے مثل عاجزی:

مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ تو پھر معاصر، ذی علم اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ان کے رو بہ رو تواضع کا اختیار کرنا اتنا حیران کن نہیں جتنا اپنے تلامذہ کے سامنے تواضع کا واقعتی اظہار موجب حیرت معلوم ہوتا ہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ سے منقول ہے:

''جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا، تو حضرت نے دیوبند میں سب علما کو جمع کر کے، جو حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے، یہ فرمایا کہ بھائی میں نے قرآن شریف کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے، لیکن سب مل کر اس کو دیکھ لو اگر پسند ہو تو شائع کرو، ورنہ رہنے دیا جائے''۔(حضرت مولانا محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، جلد۲، صفحہ ۹۵۰)

بلا شک بے نفسی، للّٰہیت اور تقوے کا یہ مقام عارفین کو بھی بہت آخر میں جا کر نصیب ہوتا ہے اور اس کا حصول انسان کو ہر ہر لمحہ اپنے احتساب اور محاسبے میں مشغول اور متوجہ رکھتا ہے۔

شیخ الہندؒ: انگریزوں کے متعلق استفتا کا جواب لکھنے سے اعراض: نفرت کلیدی وجہ:

ایسے متقی اور باصفا انسان کا کوئی کام جذبات یا غصے سے مغلوب ہونے کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ انگریز جس سے شیخ الہند نفرت میں بہت بڑھے ہوئے تھے، تحریک خلافت کے دوران جب ترک موالات کے بارے میں حضرت سے استفتا کیا گیا تو اپنے محبوب ترین شاگردوں (مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد کفایت اللہؒ) کو بلا کر فرمایا:

''بھائی! یہ استفتا آیا ہے میں چاہتا ہوں اس کا جواب آپ لکھ دیں کیوں کہ حکمِ خداوندی یہ ہے کہ: وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (اور تمھیں کسی قوم کی عداوت اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل وانصاف کے خلاف کچھ کہو، عدل کرو کہ وہی تقوے کے قریب تر ہے)۔اور مجھے انگریزوں سے

جس درجے عداوت و بغض ہے اس کے ہوتے ہوئے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے، کہیں میں ان کے بارے میں خلاف انصاف کوئی بات نہ لکھ جاؤں''۔

(قاری محمد طیبؒ، ''پچاس مثالی شخصیات''، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، جلد ۷، صفحات ۴۲۷-۴۲۸)

شیخ الہندؒ: تکفیر مسلم سے احتراز کا نمونہ:

جو انسان اپنے بدترین دشمن کے متعلق حکم لگانے میں اس درجہ محتاط ہو وہ حلقہ یاراں کے لیے کیوں ریشم کی طرح نرم نہ ہوگا۔ اسی احتیاط کی ایک مثال دیکھیے ـــــ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الہندؒ کے متعلقین میں کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا، اہل بدعت نے اس کا جور دلکھا۔ اس میں انھیں کافر قرار دیا۔ اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے:

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغ را جزا باشد دروغے

(تم نے مجھے کافر کہا مجھے اس کا غم نہیں، کیوں کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا، میں اس کے جواب میں تمھیں مسلمان کہوں گا، کیوں کہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے)

انھوں نے شیخ الہندؒ کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعر کی لطافت کی تعریف فرمائی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ تم نے لطافت کے ساتھ ہی سہی کافر تو کہہ دیا، حالاں کہ فتوے کی رو سے وہ کافر نہیں ہیں۔ اس لیے ان اشعار میں اس طرح ترمیم کرلو:

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش

دہم شکرے بجائے تلخ دروغے

اگر تو مومنی فَبِهَا، وَ اِلَّا

دروغے را جزا باشد دروغے

(تم نے مجھے کافر کہا مجھے اس کا غم نہیں، کیوں کہ جھوٹ کا چراغ جلانہیں کرتا، میں اس کے جواب میں تمھیں مسلمان کہوں گا، اور تلخی کا جواب شیرینی سے دوں گا، اگر تم واقعی مومن ہو تو خیر، ورنہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہوسکتی ہے) (محمد تقی عثمانی، اکابر دیوبند کیا تھے؟ ادارۃ المعارف، ۲۰۰۳، صفحہ ۲۳)

شیخ الہندؒ: فیضان کرم سے کفار تک بہرہ ور تھے:

مخلوق کی بلاتفریق مذہب وملت اور بلا تخصیص نسل ونسب محبت اخلاق صوفیہ میں داخل ہے۔اخلاق صوفیہ فی الاصل مشکوٰۃ نبوت ہی سے ماخوذ ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر باش رہنے والوں میں تربیت کے متعلق فرمایا گیا:

أفضلهم عنده أعمهم نصيحة، وأعظمهم عنده منزلة احسنهم مواساة ومؤازرة.

(محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ، الشمائل المحمدية، بیروت: دارالحدیث، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸م، باب ما جاء في تواضع رسول الله صلى الله عليه وسلم، صفحہ ۱۶۲)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں افضل وہ مانا جاتا تھا، جس کی خیرخواہی عام ہوا کرتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مرتبے کے لحاظ سے سب سے عظیم اور بڑھا ہوا وہ ہوتا تھا جو ہمدردئ خلق اور لوگوں کی ذمے داریوں کا بار برداشت کرنے میں سب سے بہتر ہوتا تھا“۔

شیخ الہندؒ ان ہی اوصاف سے موصوف تھے۔ان کی آغوش شفقت مسلمان تو مسلمان کفار تک کے لیے کھلی ہوئی تھی۔مولانا محمود رام پوریؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میرے ساتھ ایک ہندو ایک مقدمے کے سلسلے میں دیوبند آئے۔دیوبند پہنچ کر اس ہندو نے مجھ سے پوچھا تم کہاں

ٹھہرو گے؟ میں نے کہا میں مولانا (محمود حسنؒ) کے یہاں قیام کروں گا۔ وہ ہندو بولا کہ جی میں روٹی تو اپنے اقارب میں کھالوں گا، باقی سونے کے واسطے اگر کوئی چھوٹی سی چارپائی مجھ کو مل جائے تو وہاں ہی ٹھہر جاؤں گا۔ میں نے کہا مل جائے گی تو روٹی کھا کر آجانا، ایسا ہی ہوا، میں نے حضرت مولانا (محمود حسنؒ) کی بیٹھک میں ایک چارپائی اس کے لیے الگ بچھادی۔ ایک چارپائی پر (میں) لیٹ گیا۔ وہ ہندو تو پڑتے ہی سو گیا اور میں جاگ رہا تھا کہ حضرت مولانا دبے پیروں زنانہ مکان سے تشریف لائے اور اس ہندو کی چارپائی کی پٹی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے لگے۔ میں ایک دم چارپائی سے کھڑا ہو گیا اور جا کر عرض کیا حضرت چھوڑ دیں میں دبادوں گا۔ فرمایا کہ یہ تمھارا حق نہیں۔ میرا مہمان ہے، یہ خدمت میرے ذمے ہے۔ میں نے اصرار کیا، اس پر فرمایا کہ جاؤ تم کون ہوتے ہو؟ گڑبڑ مت کرو، بے چارے کی آنکھ کھل جائے گی۔ بس وہ ہندو تو پڑا ہوا خرخر کر رہا تھا اور مزاحاً فرمایا کہ ان کا مقدر تھا اور مولانا پاؤں دبا رہے تھے۔

(اشرف علی تھانویؒ، ملفوظات حکیم الامتؒ، جلد۲، صفحات ۲۰۶۔۲۰۷، ملفوظ ۲۸۵)

شیخ الہندؒ کے ان واقعات کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ حقوق جو انسان پر قانوناً فرض نہیں ہیں، شیخ الہندؒ نے انھیں باطن کے تصفیے اور روح تصوف کی تکمیل کے لیے خود پر اخلاقاً فرض کر لیا تھا۔ یہی عارفین سلف اور صوفیائے کاملین کا مابہ الامتیاز ہے جس کی عملی سیرت سنت کی اصطلاح میں ''خُلق'' ہے۔

(جاری ھے)

(صفحہ ۱۷ سے آگے)

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

نظامِ تعلیم کی تبدیلی

(ارشاد احمد بخاری صاحب)

کسی قوم کا تعلیمی نظام اس کی اچھی یا بری نشونما میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ اچھی تعلیم انسان کا زیور کہلاتی ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد انسانی اوصاف کا حصول اور قوم وملت کی تعمیر وترقی ہوتی ہے۔ یہ مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب تعلیمی نصاب معنویت اور افادیت کے ساتھ مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی ضروریات پر مشتمل ہو۔

انگریز کے برصغیر میں آنے سے پہلے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں میں مندرجہ بالا نکات پر مشتمل تعلیمی نظام رائج تھا، جس میں دینی اور دنیاوی علوم شامل تھے اور یہ انہی اداروں کا کمال تھا کہ ایسے افراد، قوم اور ملت تیار کی کہ لارڈ میکالے کو کہنا پڑا:

I have travelled across the length and breadth of India and I have not seen one person who is a begger, who is a thief. Such wealth I have seen in this country, such high moral values, people of such caliber, that I do not think we would ever conquer this country.

ترجمہ: میں نے پورے ہندوستان کے طول وعرض میں سفر کیا۔ میں نے ایک بھی بھکاری یا چور اچکا نہیں دیکھا۔ میں نے اس ملک میں بے پناہ دولت دیکھی۔ اتنی اعلیٰ اخلاقی قدریں اور اس پائے کے لوگ ہیں کہ میرا نہیں خیال کہ ہم ان پر غالب آ جائیں گے۔

اس کے بعد اس نے برٹش گورنمنٹ سے کہا:

''میرا نہیں خیال کہ ہم ان لوگوں کو رام کر کے اس علاقے کو فتح کر سکیں۔''

لارڈ میکالے کے بارے میں ہم یہ بتاتے چلیں کہ وہ عیسائیت کے فروغ کیلئے بہت مشہور

تھا۔اسی وجہ سے اس کو ۱۸۳۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قانونی مشیر مقرر کیا۔ چونکہ اس وقت آزادی کے نعرے شروع ہو گئے تھے لہٰذا اس کو برٹش گورنمنٹ نے سیاح کی شکل میں تمام سہولیات کے ساتھ ۱۸۳۳ء میں ہندوستان بھیجا۔ آنے کے بعد اس نے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا۔ان کے طرزِ زندگی، اقدار، معاشرت، رہن سہن، علما اور عوام کی مذہب سے محبت کو دیکھا۔اس کو اس پر حیرانی ہوئی کہ شرح خواندگی ۹۰ فیصد ہے اور عام آدمی بھی عصری تعلیمات سے آگاہ ہے۔وہ تین سال تک تمام ہندوستان میں گھوما اور واپر دی ہوئی رپورٹ حکومت کو پیش کی۔اس کی ایک کاپی اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔

جب انگریز برصغیر آئے تو انھوں نے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں پر پابندی لگانا شروع کر دی، لیکن ظاہری فتح کے باوجود مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس رپورٹ کی روشنی میں برٹش حکومت نے لارڈ میکالے سے اس کا علاج بھی پوچھا کہ ہم کس طرح ان علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم کر سکتے ہیں۔اس نے طویل سوچ بچار کے بعد جواب دیا کہ:

"Unless we break the very backbone of this nation, which is her spiritual and cultural heritage, and, therefore, I propose that we replace her old and ancient education system and her culture, for if the indians think that all that is foreign and English is good and greater than their own, they will loose their self-esteem, their native self-culture and they will become what we want them, a truly dominated nation."

ترجمہ: جب تک ہم اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی، جو دراصل ان کا روحانی اور ثقافتی ورثہ ہے، کو نہ توڑ دیں، تب تک ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔لہٰذا میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ہم ان کے پرانے

نظامِ تعلیم اور طرزِ زندگی کو بدل ڈالیں۔ جب ہندوستانیوں کی یہ سوچ پیدا ہوگی کہ جو کچھ (تہذیب، اقدار، تعلیم، وغیرہ) مغرب کا یا انگریز کا ہے وہ بہتر اور ان کی اپنی روایات سے برتر ہے تو وہ اپنی خودی، عزتِ نفس اور ثقافت کھو بیٹھیں گے۔ تب یہ لوگ وہ بن جائیں گے جو کہ ہم چاہتے ہیں، یعنی ایک مکمل مغلوب قوم۔

اس کی سفارشات برطانوی حکومت نے منظور کیں اور اس نے ہندوستان میں نظامِ تعلیم کے لئے اپنا کام شروع کیا اور یہ مشن سامنے رکھا کہ اس نصاب کو پڑھنے سے اگر مسلمانوں کے بچے یہودی اور عیسائی نہ بنے تو کم از کم مسلمان بھی نہیں رہیں گے۔ اس کی پیشن گوئی..! آج ہمارے ملک میں میکالے کے نظامِ تعلیم کی بدولت معاشی نظام سود پر مبنی ہے اور طرزِ حکومت یہودیوں اور عیسائیوں کا ہے۔

دنیا کی کامیاب قومیں وہی ہیں جنہوں نے تعلیم اور علم کی ترقی پر توجہ دی اور اسی علم کی وجہ سے انھوں نے ایجادات کیں۔ اگر ہم نے زندہ قوموں کی صف میں شامل ہونا ہے تو نصابِ تعلیم میں تبدیلی وقت کی آواز ہے۔ ایک ایسا نصاب جو ہمیں اسلامی تشخص، فکری، تہذیبی اور اخلاقی امتیاز دے، اور ایک ایسی قوم جو پاکستان کے مقصدِ وجود سے وفادار، دیانتدار اور اعلیٰ صلاحیتوں کا نمونہ ہو، اور سب سے بڑھ کر قوم کے افراد اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ سے وفا اور اطاعت کا رشتہ رکھتے ہوں۔

اطلاع

پورے رمضان بالخصوص آخری عشرہ میں خانقاہ میں اعتکاف کا بندوبست ہوگا۔

آخری عشرہ کا اعتکاف ۲۵ جون بروز ہفتہ غروب سے پہلے شروع ہوگا۔

رزقِ اولیاء کے پوشیدہ اسباب

(شیخ الحدیث والتفسیر محدث العصر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۂ اللہ تعالیٰ)

حلیۃ الاولیاء (ج ۸ ص ۳۸) میں ایک واقعہ درج ہے۔ حضرت حذیفہ مرعشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شہر کوفہ جانے کے لئے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا رفیقِ سفر ہوا۔ (ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں)

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہر میل کی مسافت کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ ہم ایک مدت تک جنگل اور بیابان میں رہے۔ ہمارے کپڑے بھی پھٹ گئے۔ بالآخر ہم کوفہ شہر میں داخل ہوئے اور ایک غیر آباد مسجد میں قیام کیا۔ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اے حذیفہ! تم بھوکے معلوم ہو رہے ہو۔ میں نے کہا: ہاں۔ بہت زیادہ بھوک لگ رہی ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قلم اور کاغذ لا کر مجھے دو۔ میں باہر نکلا اور کسی سے قلم و دوات اور کاغذ لے کر انھیں دیا۔ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے رقعے پر یہ لکھا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم. اَنْتَ الْمَقْصُوْدُ اِلَيْهِ بِكُلِّ حَالٍ وَ الْمَشَارُ اِلَيْهِ بِكُلِّ مَعْنًى

یعنی ''بسم اللہ کے بعد یہ تحریر فرمایا کہ اے اللہ! آپ ہر حال میں مقصود ہیں
اور ہر مقصد کے لئے مرجع ہیں۔''

پھر ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل شعر لکھے جن کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! چھ امور میں سے تین آپ کے ذمے ہیں اور تین میرے ذمے ہیں۔ میری غذا، لباس، پگڑی اور جوتا وغیرہ آپ کے ذمے ہیں اور ذکر کرنا، شکر کرنا اور آپ کے دربار میں حاضری دینا میرے ذمے ہے۔

وہ اشعار یہ ہیں:

اَنَـا حَـاضِـرٌ اَنَـا ذَاكِـرٌ اَنَا شَاكِرٌ اَنَـا جَـائِعٌ اَنَـا حَـاسِـرٌ اَنَا عَارِي

هِيَ سِتَّةٌ وَ اَنَا الضَّمِيْنُ بِنِصْفِهَا		فَكُنِ الضَّمِيْنُ لِنِصْفِهَا يَا بَارِي

مَدْحِي لِغَيْرِكَ لَفْحُ نَارٍ خُضْتُهَا		فَأُجُرْ فَدَيْتُكَ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

(۱) یعنی ’’(اے اللہ!) میں (عبادت کے لئے) حاضر ہوں، ذاکر ہوں اور شاکر ہوں۔ میں بھوکا ہوں، ننگے سر ہوں اور لباس سے عاری ہوں۔

(۲) یہ چھ امور ہیں۔ ان میں سے پہلے تین امور (یعنی عبادت ذکر اور شکر) میرے ذمے ہیں اور اے اللہ! باقی نصف (یعنی رزق، لباس اور پگڑی وغیرہ) کے آپ ضامن ہو جائیں۔

(۳) آپ کے سوا کسی غیر کی مدح و ثنا میرے لئے آگ میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔ اے اللہ آپ مجھے غیر کی محتاجی اور اس کی مدح کی آگ سے بچائیں۔‘‘

حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ رقعہ لکھ کر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دیا اور فرمایا کہ باہر جائیے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے قلب کو متوجہ رکھئے اور جو شخص سب سے پہلے ملے اسے یہ رقعہ دیدیجئے۔ میں رقعہ لے کر باہر نکلا تو ایک شخص جو خچر پر سوار تھا سب سے پہلے ملا۔ میں نے یہ رقعہ اسے دیا۔ وہ پڑھ کر رونے لگا اور کہا کہ جس نے تمہیں یہ رقعہ دے کر بھیجا ہے وہ خود کہاں ہے؟ میں نے کہا وہ فلاں مسجد میں ہے۔

پھر اس شخص نے اشرفیوں کی بھری ہوئی ایک تھیلی نکال کر مجھے دی۔ میں نے اس سے تفصیلِ احوال پوچھی تو معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہے۔ حذیفہ مرعشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے واپس آکر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو سارا قصہ سنایا۔ انھوں نے کہا کہ یہ تھیلی اس طرح رکھ دو۔ اسے ہاتھ نہ لگانا۔ وہ عیسائی خود بھی یہاں آجائے گا۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہ عیسائی آگیا اور آکر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے سر کو بوسے دینے لگا اور کہنے لگا اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی دعوت و رہنمائی بہت بہتر ہے۔

پھر وہ عیسائی مسلمان ہو گیا اور ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید بن گیا۔

ختمِ نبوت کورس

مسلمانوں کے ایمانوں کی حفاظت کا ایک اہم ذریعہ

(عبدالباسط، لاہور۔ کارکن شبان ختم نبوت)

ہمارے زمانہ کے بڑے فتنوں میں سے ایک فتنۂ قادیانیت ہے۔ یہ ایسا فتنہ ہے جو اپنے اوپر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ لوح مسلمانوں کو کفر کے اندھیروں میں لے جانے کی محنت کر رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ پاکستان میں قادیانی آئینی طور پر غیر مسلم ہیں اور ان کے لیے اپنے کفر کی تبلیغ کرنا قانوناً جرم ہے، قادیانی اپنے کفر کی دعوت دیتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان ان کے دجل اور فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ گمراہ ہونے والے مسلمانوں میں بعض تو بالکل دین سے دور اور جاہل قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ ایسے لوگ بھی فتنہ کا شکار ہوتے دیکھے گئے ہیں جو بظاہر دین دار بھی ہوتے ہیں مگر ان کے نزدیک دین کے کسی ایک شعبہ میں کام کرنا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ناسمجھ بھی ہوتے ہیں کہ وہ دین کے دیگر شعبوں کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے اور خاص کر دین دشمن فتنوں کے خلاف کام کرنے والے افراد تو ان کے نزدیک محض جذباتی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

بندہ کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس سے اس غلط روش کی سنگینی کا احساس ہوا۔ راقم کی ایک جگہ دو حضرات سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک صاحب کے خاندان میں کوئی شخص قادیانی ہوا تھا۔ اس حوالہ سے انھوں نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ میں ان کے سوال کے جواب میں قادیانیت کے کفر کو بیان کر ہی رہا تھا کہ ان کے ساتھ جو دوسرے صاحب تھے، انھوں نے مجھے ٹوکا اور کہنے لگے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے اعتقادات میں کوئی اتنا زیادہ فرق نہیں ہے، بس قادیانی غیر تشریعی اور ظلی نبوت کی بات کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے مرزا ناصر (قادیانیوں کا سابقہ نام نہاد خلیفہ)

کا نام بڑی عزت سے لیا اور بتایا کہ وہ ان کا ہیڈ ماسٹر ہوا کرتا تھا۔ راقم کو ان کی یہ بات سن کر بے حد افسوس اور صدمہ ہوا کیونکہ موصوف بظاہر اچھے خاصے دین دار اور تبلیغ میں ملکوں کے سفر کئے ہوئے تھے اور حکومت کے اعلیٰ عہدہ سے ریٹائرڈ افسر تھے۔ ان کی اس بات سے دوسرے صاحب پر (جنھوں نے پہلے سوال کیا تھا) بہت برا اثر پڑا اور ان کو یہ تاثر ملا کہ قادیانی ہو جانا کوئی ایسی بڑی فکر و پریشانی کی بات نہیں۔ پھر میں نے قادیانی کتب کے حوالوں سے بات کرنا شروع کی اور ان صاحب کو چپ کرایا۔ بعد میں الحمدللہ! ہم نے کوشش کر کے ان صاحب کو جنھوں نے قادیانیت کے حق میں بات کی تھی ایک ختم نبوت کورس میں بٹھایا اور وہ کورس ان کے نظریات کی درستی کا باعث بنا۔

ایک اور واقعہ ایک یونیورسٹی کا ہے۔ ایک مسلمان طالبہ (جو اس یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو چکی تھی) ایک قادیانی لڑکے کے چکر میں پھنس گئی اور اس نے اس لڑکی کے ذہن میں بہت سے اشکالات پیدا کر دئے۔ وہ لڑکی اپنے سوالات لے کر اپنی یونیورسٹی کے پرانے پروفیسر کے پاس گئی جو حقیقتاً بہت دین دار شخص ہیں۔ لڑکی کے خیال میں چونکہ وہ ڈاڑھی والے اور دین دار پروفیسر تھے اس لئے ان کے پاس ان سوالات کا جواب ہونا چاہیے تھا مگر ان پروفیسر صاحب کا بھی ختم نبوت اور قادیانیت پر کوئی مطالعہ نہیں تھا لہٰذا وہ بھی اس کے سوالات کے جوابات نہ دے سکے۔ بعد میں اس لڑکی سے رابطہ کی کوشش کی گئی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے مقابلہ میں بندہ کے جاننے والے ایک پروفیسر صاحب نے مختصر دورانیہ کا ختم نبوت کورس کیا اور پھر اتفاق سے انہیں ایک ایسے بڑے مجمع میں کہ جہاں پر لوگوں کی اکثریت قادیانیوں اور قادیانی نوازوں کی تھی بات کرنے کا موقع ملا۔ وہاں پر انھوں نے قادیانی عقائد اور مرزا قادیانی کی لغویات کو بیان کیا اور اس طریقہ سے بات کی کہ قادیانی لاجواب ہو گئے۔

یہ بات بھی تجربہ میں آئی ہے کہ قادیانی اس شخص پر اپنا جال پھینکتے ہیں جس کے بارے میں ان کو اندازہ ہو کہ اسے قادیانیت کا پہلے سے علم نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی دین دار کیوں نہ ہو۔ چونکہ

دعوت وتبلیغ سے وابستہ افراد عام طور پر مخصوص معلومات اور معمولات تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں، اس لئے قادیانی ان کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گوجرانوالہ میں ایک مسجد کی کارگزاری وہاں کے امام صاحب نے سنائی کہ امام صاحب اپنے ہی مسجد کے ساتھیوں کے ساتھ سہ روزہ کے لئے چلے گئے۔ وہاں پر انہوں نے جماعت کے ایک ساتھی کو دیکھا کہ وہ فارغ اوقات میں چند اور ساتھیوں کو جمع کر کے علماء کی برائیاں بیان کرتا ہے۔ (علماء کی برائیاں بیان کرنا قادیانیوں کا ایک عمومی طریقۂ واردات ہے) اس کی اس حرکت سے امام صاحب کو اس شخص پر شک ہو گیا۔ سہ روزہ سے واپس آ کر امام صاحب نے اس شخص کے بارے میں تحقیق کی تو وہ شخص پکا قادیانی نکلا۔

ایک انتہائی افسوس ناک واقعہ لاہور میں رحمان پورہ کے علاقہ میں ایک نوجوان کے ساتھ پیش آیا۔ اس نوجوان نے کئی سہ روزے لگا رکھے تھے۔ ایک دن اپنی مسجد کی جماعت کے ساتھ عمومی گشت کر رہا تھا کہ ایک گھر کے سامنے پہنچے تو امیر صاحب نے کہا کہ اس گھر پر دستک نہیں دینی۔ اس نوجوان نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ یہ گھر قادیانیوں کا ہے۔ جماعت آگے بڑھ گئی اور گشت مکمل ہو گیا۔ بعد میں اس نوجوان کو خیال آیا کہ کیوں نہ اس گھر میں جا کر دعوت دی جائے۔ وہ وہاں چلا گیا اور ان کو دعوت دی۔ قادیانیوں نے پہلے اس کی بات سنی اور پھر اس کو اپنے دجل میں پھنسانے کے لیے بہت سے اشکالات پیش کیے۔ وہ نوجوان چونکہ قادیانیت سے واقف نہ تھا لہٰذا ان کے قابو میں آ گیا اور بالآخر مرتد ہو گیا۔ اب وہ قادیانیوں کا مربی (وہ عالم جو دوسروں کو قادیانی بناتا ہو) بن چکا ہے۔

سچ بات ہے کہ ایمان ایسی نعمت ہے کہ جب تک انسان کے اندر ایمان ہو، اس وقت تک ایمان کی برکت سے دل کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور وہ حق و ناحق کے درمیان تمیز کی صلاحیت رکھتا ہے اور جب ایمان چلا جائے تو پھر سینہ ظلمت سے بھر جاتا ہے اور سورج کی طرح روشن حق بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس نوجوان کو دوبارہ مسلمان کرنے کی بہت کوشش کی گئی مگر وہ واپس نہ آ سکا۔

اس کے مقابلہ میں قادیانی ہمیشہ اس جگہ سے بھاگتے ہیں جہاں قادیانیت شناس آدمی

موجود ہو۔اس لیے مسلمانوں کے ایمانوں کی حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کو قادیانیت کا تعارف کروایا جائے تاکہ وہ اپنے دین وایمان کو اس فتنہ سے بچا سکیں۔ایک واقعہ کراچی کی ایک جماعت کے ساتھ پیش آیا۔ان کی تشکیل کسی افریقی ملک (غالباً گھانا) میں ہوئی تھی۔وہ حضرات جانے سے پہلے مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ سے ملاقات کرنے گئے۔آپ رحمہ اللہ نے ان کو ختم نبوت وقادیانیت سے متعلق کتب ہدیہ کیں اور ان کو اپنے ساتھ سفر میں رکھنے کا مشورہ دیا۔وہ جماعت یہ کتب اپنے ساتھ لے گئی۔دورانِ سفر اس ملک میں جماعت کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک جگہ قادیانیوں نے پاکستان سے آئی ہوئی اس جماعت کے خلاف منصوبہ بندی کی۔انہوں نے مسلمانوں کو مناظرہ کرنے کی دعوت دے دی۔ان کا خیال تھا کہ جماعت کے سادہ سے مسلمان ہیں اور وہ ان کے سوالات کے جوابات نہیں دے سکیں گے۔اس طرح مسلمانوں کو رسوا کر کے علاقہ کے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھائی جائے اور اپنے کفر کو مزید پھیلایا جایا۔جماعت والے تو قادیانیوں سے مناظرہ کرنا نہیں جانتے تھے مگر اس موقع پر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی کتب کام آ گئیں اور انہوں نے ان کا مطالعہ شروع کیا۔اس مطالعہ کے دوران انہوں نے مرزا قادیانی کی بہت سی کتابوں کے نام حوالہ جات میں پڑھے۔اللہ تعالیٰ نے جماعت والوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ قادیانیوں سے ان کی اصلی کتب کا مطالبہ کرنا چاہیے۔انہوں نے قادیانیوں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہم لوگ مسافر ہیں اس لئے مناظرہ کرنے کے لیے مطلوبہ کتب ساتھ نہیں لائے،تم لوگ مناظرہ کرنا چاہتے تو مرزا قادیانی کی فلاں فلاں کتابیں مہیا کر دو تاکہ ہم حوالہ جات کے ساتھ مناظرہ کریں۔جب قادیانیوں نے مرزا کی کتابوں کے نام سنے تو وہ سمجھے کہ جماعت والے تو قادیانیت کے ماہر ہیں۔نیز یہ کہ مرزا قادیانی کی کتب کو سامنے رکھ کر مناظرہ کرنا تو اپنی موت آپ مرنا ہے۔لہٰذا قادیانی مقابلہ سے فرار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سرخرو فرمایا۔

یہ فتنہ چونکہ عالمی سطح پر پھیل چکا ہے اس لئے ہر خاص وعام کی (باقی صفحہ نمبر ۱۵ پر)

۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء ایک داستان

(احتشام، گاؤں حسّہ، بالاکوٹ۔طالبعلم سال آخر کیمیکل انجینئرنگ، یو ای ٹی پشاور)

اس دنیا میں ہر انسان کو آئے روز حادثات پیش آتے ہیں۔ان میں بعض حادثات ایسے ہوتے ہیں جو انسان زندگی کے کسی لمحے نہیں بھول سکتا۔بالکل اسی طرح میری زندگی میں بھی بچپن میں ہی ایسا حادثہ پیش آیا جو چند سیکنڈ میں مجھ سے سب کچھ چھین کر چلا گیا۔

یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور تیسرا روزہ تھا۔سب لوگ صبح اٹھے اور اپنے اپنے کاموں کے لیے روانہ ہوئے۔کوئی دفتر چلا گیا تو کوئی سکول اور کوئی بازار۔ہم تینوں بھائی بھی سکول کے لیے روانہ ہوئے۔میں اس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔تینوں بھائی سکول پہنچے، اسمبلی ہوئی اور اس کے بعد کلاس شروع ہوئی۔ابھی کلاس ٹیچر نے حاضری ہی لی تھی، غالباً ۸:۵۶ بج رہے تھے کہ اچانک سارا سکول گر گیا۔ایک سیکنڈ کے بھی کچھ حصے میں میری آنکھوں کے سامنے سارا منظر بدل گیا۔میں بلیک بورڈ والی دیوار کی جگہ جا گرا اور آدھا بدن ملبے اور مٹی کے نیچے آ گیا۔بورڈ میرے اوپر گر گیا۔سب سے ضروری بات کہ جو میں کہنا چاہوں گا کہ زندگی و موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، یہ کرشمہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔جوں میں دیوار کے پاس جا کر گرا میری نگاہ اوپر کو اٹھی۔ہمارے کمرے کی چھت تیزی کے ساتھ نیچے آ رہی تھی۔مجھے یہ سب کچھ ایک خواب لگ رہا تھا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔میں نے اپنے سر کے اوپر ہاتھ رکھ لیا۔لیکن چھت کلاس میں ڈسک وغیرہ (میزیں) ہونے کی وجہ سے زمین سے تھوڑی اوپر رک گئی۔ہماری کلاس میں ۶۰ طلباء تھے جن میں سے تقریباً ۲۰ تو کلاس میں فوت ہوئے اور کچھ گھروں میں پہنچ کر۔میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی زخمی تھا۔یہ دوست کچھ اس طرح سے ملبے تلے پھنسا ہوا تھا کہ جسم کا سر والا حصہ ملبے اور مٹی میں اور باقی جسم ملبے سے باہر۔میں اسے دیکھتا رہا لیکن خود مٹی میں دبا ہونے اور کچھ نہ کر سکنے کی وجہ سے خاموش رہا۔جب کبھی مجھے وہ منظر یاد آتا ہے تو صرف ایک ہی پکار دل سے نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ زندگی میں کبھی ایسا لمحہ نہ لائے۔اس

دوران طرح طرح کے خیالات میرے ذہن میں آئے کہ شاید ہمارے سکول میں کسی نے کوئی دھماکہ کیا ہے اور جب گھر جاؤں گا تو سب کچھ ٹھیک ہوگا۔ اس وقت مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف دھول، مٹی اور گرد و غبار تھا۔ میں شور مچاتا رہا کہ شاید کوئی مجھے نکال لے۔ اسی دوران ہماری کلاس کا مانیٹر (پراکٹر) زمین کے ساتھ گھسٹتا ہوا آگے آیا اور سب سے پہلے مجھے باہر نکالا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے میری زندگی بچانے کے لیے ایک فرشتہ بھیجا تھا کیونکہ اگر مزید ۵ منٹ تک نہ آتا تو میری زندگی کی امید ختم ہو جاتی۔ بالکل ہماری کلاس کے ساتھ اگلی کلاس میں میرا بھائی تھا جو ساتویں میں پڑھتا تھا۔ ان کی کلاس کی چھت بالکل زمین کے ساتھ مل گئی تھی اور زیادہ تعداد ہوا (آکسیجن) کی کمی اور خوف سے شہید ہوئی۔ جب میں ملبے سے نکلا تو باہر چھلانگ لگائی، باہر کا منظر ہی عجیب تھا۔ ہمارے سکول کا بہت بڑا گراونڈ تھا جو اب دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ہر طرف طلباء کی مائیں کھڑی رو رہی تھیں اور اساتذہ سے کہہ رہی تھیں کہ ہمارے بچوں کو نکالو۔ میں نے اپنے ابو کو دیکھا تو حیران ہو گیا کہ کپڑے خون سے بھرے ہوئے ہیں اور کبھی ایک کلاس سے بچوں کو نکالتے ہیں تو کبھی دوسری کلاس سے۔

میں جب باہر آیا تو میرا پاؤں بہت زخمی ہوا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی اور نہ پیروں میں جوتے۔ چل بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی دوران میری نظر میری چچی پر پڑی۔ وہ بھی زخمی تھی لیکن چل سکتی تھی۔ زلزلہ کے بعد بھی Aftershocks آ رہے تھے اور زمین بالکل ٹھہرنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میرے ابو سکول میں تھے لیکن میرے بھائیوں کا انہیں خیال نہیں رہا۔ وہ سمجھے کہ شاید چچی آئی تھیں تو ان کے ساتھ چلے گئے لیکن جب بچوں کو نکالنا شروع کیا تو دیکھا میرا بڑا بھائی بھی شہید ہو چکا تھا اور چھوٹا بھائی تو سکول کی عمارت گرتے ساتھ ہی شہید ہو گیا تھا۔ اس کے سر کی ساری چمڑی ہی ایک جستی چادر لگنے سے اٹھ گئی تھی۔ میں بہت مشکل سے گھر پہنچا تو دیکھا والدہ زخمی حالت میں چارپائی پر لیٹی ہوئی ہیں اور سب گاؤں والے خوف و ہراس کے عالم میں ذکر و اذکار کر رہے ہیں۔ میری امی پورا دن زخمی حالت میں پڑی رہی اور یہی کہتی رہی کہ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ اصل میں ان کے اوپر ہمارا گھر اور پڑوس کا مکان دونوں گر گئے تھے اور وہ وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے بھاگ بھی نہیں سکتی تھیں۔ جب وہ ملبے میں

پھنس گئیں تو میری بہن اور بہنوئی نے بڑی مشکل سے انہیں نکالا۔ ہر آدمی اتنا پریشان تھا کہ وہ کسی دوسرے کی مدد ہی نہیں کرسکتا تھا۔ رات کو سب لوگ ایک بڑے میدان میں اکھٹے ہوئے۔ نہ کوئی بستر تھا، نہ پانی اور نہ اوپر کچھ اوڑھنے کو۔ سردی کا موسم تھا اور رات کو بہت سخت بارش بھی شروع ہوگئی۔ زلزلہ اتنا شدید تھا کہ کسی کو یہ امید نہیں تھی کہ اگلی صبح تک ہم زندہ بچیں گے۔

ہمارے گھر کے قریب ایک آدمی تھا جس کے گھر کے پانچ افراد مٹی اور ملبے کے نیچے آ گئے تھے۔ الغرض ہر گھر کے کم سے کم ۲ یا ۳ افراد ملبے کے نیچے تھے۔ بالکل قیامت کا سا منظر تھا۔ زندگی کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ پورا دن میری والدہ میرے بھائیوں کا پوچھتی رہیں، لیکن انہیں ہم نے نہیں بتایا کہ اب وہ آپ کے پاس نہیں آ سکتے۔ میری والدہ بہت بری طرح زخمی تھیں۔ اندرونی چوٹوں کے ساتھ ساتھ ان کی ایک ٹانگ بالکل جدا ہو چکی تھی اور پورے جسم پر زخموں کے نشان تھے۔ بہن بھائیوں میں وہ سب سے زیادہ مجھ سے پیار کرتیں تھیں۔ میں پورا دن ان کی چارپائی کے پاس بیٹھا رہا اور امی کو حوصلہ دیتا رہا کہ آپ ٹھیک ہو جائیں گی لیکن وہ کہتیں کہ بیٹا اب میں ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ بس کسی طرح ڈاکٹر کو بلاؤ، لیکن انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ آج کوئی ڈاکٹر ہے ہی نہیں۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں بس یہی بات آ رہی تھی کہ کاش میں پوری دنیا کے ڈاکٹروں کو اپنی والدہ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں، کیونکہ پورا دن وہ یہی امید لگائے بیٹھی تھیں کہ شاید ابھی کوئی ڈاکٹر آ جائے۔ جب ہر امید ختم ہوگئی تو شام کے وقت امی اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ مجھے وہ شام آج بھی بالکل اسی طرح یاد ہے جیسے یہ شام کل گزری ہو۔ کیونکہ میں اس شام جو کچھ کھو بیٹھا اس کا ازالہ کبھی ممکن نہیں۔ میرے بھائیوں کو شام سے پہلے دفنا دیا گیا اور والدہ کو صبح کے وقت۔ اسی طرح میری دادی، چچی، چچا کی بیٹی اور ۵۰ قریبی رشتہ دار اس حادثہ کی نذر ہوئے۔ مجھے آج بھی وہ دن اسی طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو۔ اس دن کا کوئی لمحہ میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ آخر میں اتنا لکھنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور شہداء کو جنت فردوس عطا فرمائے اور ہمیں اس طرح کی آزمائشوں سے عافیت عطا فرمائے۔ (آمین)

بزرگوں کے حیرت انگیز واقعات

(حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے جناب مولانا محمد شاہد صاحب کی کتاب سے منتخب واقعات جو حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیے)

میرا بھتیجا محمد زکریا: حضرت شیخ قدس سرہٗ کے دل میں حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی جو عظمت ومحبت تھی اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آ گیا۔ اس ہیچ مدان نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ایماء پر ''نصابِ تبلیغ'' (جو حضرت کی فضائل کی کتابوں اور حکایاتِ صحابہ پر مشتمل ہے) کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ترجمہ کے بعد ایک خواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو دیکھا، آپ نے (یعنی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے راقم سے ارشاد فرمایا:

''آپ کو فارسی آ گئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا۔'' پھر پوچھا: ''کیا آپ کو عربی آتی ہے؟'' بندہ کے اثبات کے جواب پر استفسار فرمایا: ''جرس'' کے کیا معنی ہیں؟'' اور بندہ نے معنی عرض کیے تو انتہائی مسرت اور ابتہاج میں حافظ کی وہ پوری غزل سنائی، جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔ جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملها

بندہ نے ایک سفرِ حج پر حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ واعلیٰ اللہ مقامہٗ کو یہ خواب سنایا، نہایت مسرور ہوئے، اور خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا: ''حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا۔''

اس کے تھوڑی دیر بعد حضرت مخدومی المکرّم مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی تشریف لائے تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ سے مسرت کے ساتھ فرمایا کہ ان حضرات کو بھی اپنا خواب سناؤ، اور پھر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے'' اور پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات کے بارے میں ایک پٹھان بزرگ (حاجی خیال محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا واقعہ نقل فرمایا، جنھیں حضرت تھانویؒ نے خواب میں کہا تھا کہ میرے بھتیجے محمد زکریا کو میرا اسلام پہنچا دیں۔

اوجز کی کتاب الحدود: پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے ''رجم'' کو شرعی حد ماننے سے انکار کردیا تھا جس سے ملک میں ہیجان پیدا ہوگیا اور علما کے زور پر حکومت نے انھیں اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے کہا۔ انھوں نے مختلف لوگوں سے دلائل مانگے، فقیر سے بھی کہا گیا۔ بندہ اس وقت شدید بیماری میں ہسپتال میں تھا لیکن قدرتاً شدید داعیہ پیدا ہوا۔ ڈاکٹروں کے علی الرغم اسپتال میں کتابیں منگوائیں۔ دیکھتا تھا اور املا کرواتا تھا۔ آخر ایک بڑا بیان تیار ہوگیا اور بندہ ڈاکٹروں کی ممانعت کے باوجود بمشکل عدالت میں پہنچا، بیان دیا، عدالت بحمداللہ متاثر ہوئی، صرف دو اشکال رہ گئے، ایک یہ کہ ''سنین رجم'' (رجم کی ہجری سنیں) کون سی ہیں اور دوسرا کیا ''حد'' تعزیر میں بدل سکتی ہے؟ بندہ نے جواب لکھ کر بھیجے اور بحمداللہ عدالت نے اپنے غلط فیصلے سے رجوع کرکے پھر سے ''رجم'' کو شرعی حد قرار دے دیا۔ اس بارے میں ''سنینِ رجم'' کے سلسلے میں مواد نہیں مل رہا تھا۔ خواب میں حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ میرے دائیں طرف تشریف فرما ہیں اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ بندے کی طرف سامنے پیٹھ کئے بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے مولوی صاحب کا منہ میری طرف ہے۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھ لو! دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں مجھ سے؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں تجھ سے کون کہتا ہے؟ ان سے، اور شیخ الحدیث کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ بندہ نے بیداری کے بعد سمجھا کہ حضور انور ﷺ کا مقصد حضرت شیخ کی کتابوں سے استفادہ کا ہے۔ اوجز کی کتاب ''الحدود'' نکالی اور فوراً ہی سنین کا مسئلہ حل ہوگیا۔

حل ایں نکتہ از روئے نگار آخر شد

حضرت شیخ قدس سرہٗ کو یہ خواب لکھ کر بھیجا گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور اپنی یادداشت میں نقل کرلیا۔ بندہ سمجھتا ہے کہ اوجز کی مقبولیت کا نشان ہے۔

(سن کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ قرآن پاک کی آیت میں رجم نہیں ہے اس لئے اگر آپ نے رجم کی سزا آیت کے نازل ہونے سے پہلے دی تو وہ آیت سے منسوخ ہوگئی، اور اگر آیت کے نازل ہونے کے بعد دی تو اس کا حکم باقی ہے۔ ادارہ)

آقا اور غلام کی کہانی

(از ''حدیثِ دل'' مؤلفہ خواجہ حافظ محمد رفیق)

جو شرفاء کی بات نہ مانے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ جس کو اللہ عزت دے کوئی اس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے وہ خود ذلیل ہو جاتا ہے۔ جو دوسروں کے لئے جال بچھاتا ہے وہ خود اس میں پھنس جاتا ہے۔

زندگی میں انسان کو کئی نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی تنگدستی، انسان خوشحال ہو تو لوگوں کا رویہ اس کے ساتھ مختلف ہوتا ہے۔ آدمی پر تنگدستی آجائے تو لوگوں کا برتاؤ پہلے کی نسبت مختلف ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ خوشحالی میں شکر اور تنگدستی میں صبر کرے شکوہ نہ کرے۔

آقا نے اپنے غلام سے کہا: ''ہم شہر کی اس بستی میں مدت تک رہے، ہمارے دن اچھے تھے، بڑی عزت تھی۔ اللہ کی شان ہے برے دن آگئے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں، چلو اس بستی سے دور کہیں چلتے ہیں۔'' غلام نے تعمیلِ حکم میں گھوڑے پر زین کسی، لگام تھامی اور حاضر خدمت ہو گیا، دونوں سمت متعین کئے بغیر سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں مسافر خانہ آگیا تو ستانے کیلئے ٹھہر گئے۔ آقا کی نظر ایک درویش پر پڑی جو گدڑی اوڑھے ہوئے تھا۔ آقا کو کسی ایسے درویش کی تلاش تھی جس کو اپنی سرگزشت سنائے تو وہ زوال کی وجہ بتائے، مستقبل کی بہتری کیلئے مشورہ دے۔ اس نے غلام کو کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اور فارغ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے درویش کے پاس پہنچا۔ سلام کے بعد حاضری کی غرض بیان کی۔

درویش نے کہا: ''میں کسی کو مفت مشورہ نہیں دیتا۔ میں ایک بات بتانے کا سو روپیہ لیتا ہوں، تمہیں اس میں فائدہ نظر آئے یا نہ آئے''۔ رئیس کی جیب میں تین سو روپے تھے۔ یہ سوچ کر کے شاید کوئی کام کا نسخہ مل جائے، سو روپے جیب سے نکال کر درویش کی نظر کئے تو درویش نے کہا: ''جب

اللہ کسی کو عزت دے تو تم بھی اس کی عزت کرو، چلو جاؤ سو روپے پورے ہو گئے۔''

رئیس خاموش ہو گیا۔ دل میں یہ خیال آیا کہ اس جواب کا میرے مسائل سے کوئی تعلق نہیں، سو روپیہ ضائع گیا۔ درویش کی آواز بلند ہوئی: ''کیا سوچ رہے ہو؟ تسلی نہیں ہوئی تو دوسرے مشورے کے لئے سو روپے لاؤ۔'' رئیس نے سوچا سو تو ضائع ہو ہی گیا ہے شاید اس بار کوئی حل نکل آئے، مزید سو روپیہ درویش کی خدمت میں پیش کیا تو درویش نے کہا: ''جس کام سے چار پانچ شریف آدمی روکیں اس سے رُک جانا چاہئے، چلو تمہارے سو روپے پورے ہو گئے۔''

رئیس سوچنے لگا میری مشکل کا اس میں بھی کوئی حل نہیں۔ یہ سو بھی ضائع گیا۔ رئیس اس سوچ میں کھویا ہوا تھا کہ درویش کی آواز بلند ہوئی: ''کیا سوچتے ہو؟ تسلی نہیں ہوئی تو مزید مشورے کے لئے لاؤ سو روپیہ۔'' رئیس نے سوچا چلو قسمت آزمائی جائے، شاید اس بار کوئی حل نکل آئے، تو اس نے تیسرا اور آخری نوٹ بھی درویش کے سپرد کر دیا۔

درویش نے کہا: ''سنو! جب کسی کا کوئی عیب دیکھو تو پردہ ڈال دو۔ چلو تمہارے سو روپے پورے ہو گئے۔'' رئیس نے سرد آہ کھینچی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھا تو سواری کا گھوڑا چور کھول کر اُڑا چکے تھے۔ دوسری مصیبت کی دھک دل پر پڑی تو بے ساختہ زمین پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں غلام نے حاضر ہو کر کھانا پیش کیا تو رئیس نے غلام سے کہا: ''میری بھوک ختم ہو چکی ہے۔ تم دور بیٹھ کر کھانا کھا لو، اور رات کا قیام یہیں ہو گا۔''

قریب کی ریاست کے بادشاہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ارکان سلطنت نے فیصلہ کیا کہ صبح سویرے جو شخص شہر میں داخل ہو گا وہ تختِ شاہی پر متمکن ہو گا اور ہمارا بادشاہ بھی...!

رات کے اندھیرے نے اپنے پر پھیلائے اور ہر چیز کو اپنی آغوش میں لے لیا تو غلام سو گیا۔ آقا کو نیند نہ آئی، دو تہائی رات یوں ہی گزر گئی، پچھلے پہر چاند طلوع ہوا تو اس کی شفاف روشنی پھیل گئی۔ آقا نے غلام کو بلایا اور قصہ سنایا: ''گھوڑا ضرورت مند لے جا چکے، پیسے قسمت آزمائی میں

لگ چکے، سفر پر جانے سے پہلے کچھ کھانا ضروری ہے، یہ گھوڑے کی زین ہے، بازار میں لے جا کر فروخت کرو اور کچھ کھانے کیلئے لاؤ۔ تمہارے بازار پہنچنے تک روشنی ہو جائے گی۔"

غلام تعمیل ارشاد میں زین کندھے پر اٹھائے شہر کی جانب چل دیا۔ شہر کے دروازے سے داخل ہوا تو لوگوں نے اسے کندھوں پر اٹھالیا اور حمام میں لے گئے، وہاں سے نکالا شاہی لباس پہنایا، سر پر تاج رکھا اور تختِ شاہی پر بٹھا دیا۔ شاہی فوجی دستے نے سلامی دی تو بادشاہ نے دربارِ عام کیا، شاہی فوج کا سربراہ بادشاہ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ شاہی پولیس نے بادشاہ کے آگے گردن جھکا لی۔ افسران قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے، ارکان سلطنت نے بادشاہ کے گرد دائرہ بنایا اور بیٹھ گئے۔ کاروبارِ حکومت کی باقاعدہ ابتدا ہو گئی۔

ادھر آقا اپنے غلام کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا۔ اسے خیال آیا کہ برے دن آجائیں تو اچھے اچھے ساتھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ جب میں کروڑ پتی تھا تو یہ میرا غلام میرے ساتھ تھا، جب میرے پاس کچھ نہ رہا تو بھی اس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب میرے پاس بہت کچھ تھا تو میرے اس غلام نے خیانت نہ کی، آج جب اس کے دل میں خیانت کا خیال آیا تو گھوڑے کی زین پر آگیا۔ عروج کو کس وقت زوال آجائے کوئی پتا نہیں۔ اس کی شان بے نیاز۔ جسے چاہے بادشاہ سے گدا کر دے۔ جسے چاہے گدا سے بادشاہ کر دے۔ تیرا ایک اشارہ کافی ہے مرتبہ گھٹانے اور بڑھانے میں۔ پھر خیال آیا چلو شہر چل کے پتا کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا بیتی۔

شہر کے دروازے سے داخل ہوا تو دیکھا لوگ چار چار، پانچ پانچ کی ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے آپس میں یہ تذکرہ کر رہے ہیں: "دیکھو اللہ کی شان! ایک شخص گھر سے گھوڑے کی زین بیچنے شہر آیا اور بادشاہ بن گیا۔" آقا نے یہ سنا تو سمجھ گیا میرا غلام ہی بادشاہ بنا ہے۔ وہی زین بیچنے کیلئے صبح شہر آیا تھا۔ دل میں خیال آیا چلو واپس چلیں، اس سے کیا ملنا، کل میرا غلام تھا آج بادشاہ بن گیا۔ شہر کے دروازے سے باہر نکلنے کو قدم اٹھایا تھا کہ درویش کی بات یاد آگئی کہ جس کو اللہ عزت دے تم بھی اس

کی عزت کرنا۔ واپس آ گیا، شاہی محل کے دروازے سے داخل ہوا تو بادشاہ کی نظر اپنے آقا پر پڑ گئی، وہ احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔ بادشاہ کے اٹھتے ہی تمام ارکانِ سلطنت بھی کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا: ”یہ میرا باپ آ گیا ہے۔“ آقا کو شاہی حمام لے جایا گیا، شاہی لباس پہنا کر بادشاہ کے پہلو میں بلند کرسی پر بٹھا دیا گیا اور مرحوم بادشاہ کی چادر نئے بادشاہ کے باپ کے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ عروج سے زوال، زوال سے پھر عروج آ گیا۔

کاروبارِ حکومت چلنے لگا۔ آقا صبح کی سیر کو باغ میں جاتا، دن چڑھے واپس آ جاتا۔ ایک روز صبح سویرے سیر کو جا رہا تھا، اس نے ایک عورت اور مرد کو قابل اعتراض حالت میں دیکھا تو ان کو گرفتار کروانا چاہا لیکن پھر درویش کی نصیحت یاد آ گئی کہ کسی کا عیب دیکھو تو اس پر پردہ ڈالو۔ اس نے اپنی شاہی چادر ان پر ڈال دی اور آگے بڑھ گیا۔ یہ عورت سابق مرحوم بادشاہ کی بیوی اور مرد موجودہ حکومت کا وزیر تھا۔ روشنی اچھی طرح پھیلی تو معلوم ہوا یہ چادر تو بادشاہ کے باپ کی ہے اور جب اس کو معلوم ہوا تو وہ خوف کے مارے ہاتھ ملنے لگا کہ اب اس کی زندگی کا چراغ گُل ہونے والا ہے۔ عورت نے اس کو تسلی دی کہ اس کو بچانے کے لئے اس کے پاس ایک سو ایک داؤ ہیں۔

اس نے دوسری صبح اپنے گھر میں رونا چلانا شروع کیا۔ ہمسایوں نے بادشاہ کو خبر دی تو اس نے سابقہ ملکہ کے پس قاصد بھیجا کہ وہ اپنی شکایت لکھ دے مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور کہلا بھیجا: ”بادشاہ یہاں آئے تو میں اپنی شکایت بتا دوں گی۔“

بادشاہ حاضر ہوا تو سابقہ ملکہ نے چادر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا: ”یہ تمہارے باپ کا کرتوت ہے، اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور اپنی چادر چھوڑ کر بھاگ گیا۔“ بادشاہ نے ملکہ کو خاموشی کا حکم دیا اور انصاف کا وعدہ کیا۔ جب بادشاہ یا حکمران خود حرامیوں جیسے کام نہ کرتے ہوں تو قدرت ان کو انصاف کا طریقہ سمجھا دیتی ہے۔ بادشاہ اس معاملے میں بہت متفکر ہوا کہ اس کے آقا (باپ) نے یہ کیا حرکت کی؟ پھر اس نے جلاد کو بلایا اور کہا: ”کل صبح جو شخص پہلے تمہارے

پاس آئے اس کی گردن اتار کر میرے پاس لے آنا۔‘‘

جب بادشاہ کی ملاقات اپنے آقا سے ہوئی تو اس نے کہا: ’’آپ سیر کو صبح کس طرف جاتے ہیں؟‘‘ آقا نے کہا: ’’باغ کی طرف۔‘‘ بادشاہ نے کہا: ’’کل آپ باغ کی طرف جانے کی بجائے دریا کی لہروں کا لطف اٹھایئے گا اور واپسی پر جلاد سے یہ دریافت کرتے آئیں کہ بادشاہ نے جس کام کیلئے کہا تھا اس کا کیا ہوا۔‘‘

آقا صبح باغ کی بجائے دریا کی طرف روانہ ہوا تو لوگ بادشاہ کے باپ (آقا) کو پہلی مرتبہ آتے ہوئے دیکھ کر جابجا ٹولیوں کی صورت استقبال کیلئے نکلے۔ کسی نے چائے، کسی نے شربت، کسی نے لسی سے تواضع کرنی چاہی۔ کسی کی دل شکنی نہ ہو یہ سوچ کر وہ تھوڑی تھوڑی دیر چاہت کا اظہار کرنے والوں کے پاس بیٹھتا گیا۔ دیر ہوئی اور سورج بلند ہو گیا تو آقا نے جلدی سے جلاد کے پاس جانا چاہا لیکن چار پانچ شریف آدمیوں نے تقاضا کیا کہ وہ ان کی عزت افزائی کیلئے ان کے گھر چلے۔ آقا نے انکار کیا لیکن شرفاء اصرار کرنے لگے تو اس کو درویش کی نصیحت یاد آ گئی کہ جب چار پانچ شریف آدمی کسی کام سے روکیں تو رُک جانا چاہیئے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ رُک جاؤں۔ یہ سوچ کر رُک گیا۔ اس کی نظر وزیر پر پڑی تو اس کو اشارے سے اپنے قریب آنے کو کہا۔ وزیر قریب آیا تو بادشاہ کے باپ (آقا) نے کہا: ’’جلاد کے پس جاؤ اور اس سے دریافت کرو کہ بادشاہ نے جس کام کیلئے کہا تھا اس کا کیا ہوا.....؟‘‘

وزیر جلاد کے پاس پھدکتا ہوا پہنچا اور بادشاہ کے کام کا پوچھا۔ جلاد نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور سر تن سے جدا کر دیا۔ جلاد خانے کو جلدی سے تالا لگایا، سر تھیلے میں ڈالا، گھوڑے کی رقاب تھامی اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سر میز پر رکھ دیا۔ بادشاہ نے وزیر کا سر دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے کہ یہ کیا ہوا؟ میں تو کچھ اور کرنا چاہتا تھا اور ہو کچھ اور گیا۔

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

(قسط۔۱)

سلام اور اس کے احکام

(قاضی فضل واحد صاحب)

سلام وتحیہ باعتبار لغت ومعانی

عربی زبان کا مصدر ہے اور مصدری معنی کے علاوہ بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے، اور اس کے متعدد معانی ہیں۔

۱۔ براءت ۲۔ ترک جنگ/صلح ۳۔ میانہ روی/اعتدال

۴۔ بقاء ودوام ۵۔ نجات ٦۔ صحت وعافیت

۷۔ دعا ودرود ۸۔ کمال یعنی کامل وسالم ہونا ۹۔ تبریک وتحیہ یا کوشش

۱۰۔ بس، یعنی بات ختم ہوئی، اور یہ معنی دراصل خط وکتابت کے انداز سے مرتب ہوئے یعنی خط کے آخر میں لکھنے کا رواج پڑ گیا ہے۔ ’’فقط، والسلام‘‘ اس سے یہ معنی پیدا ہوئے کہ بس اب بات ختم ہوئی۔ ’تلک عشرۃ کاملۃ‘.

سلام عام طور پر مندرجہ ذیل معنی ومفہوم کے مقابل آتا ہے: حرب، تعدّی یعنی جارحیت، گناہ، بیماری، عیب یا نقص یا کمی، ابتلا، فضول گوئی، لعنت، فساد اور فنا۔

’’سلام‘‘ کے دیگر مترادفات ’’سلامتہ، سلامُ، سلم اور سَلِمَّ ہیں جو بطور مصدر یا اسم مذکورہ معانی میں سے اکثر کے لئے مستعمل ہیں۔ اسی سے ’’السلام‘‘ اور ’’تسلیم‘‘ مشتق ہیں۔

عربی میں سلام کرنے یا نماز کے اختتام پر سلام کو تسلیمۃٌ کہتے ہیں۔

السلام علیکم: معانی اور جامعیت

ابن عربی نے احکام القرآن میں امام ابن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اتدری ما السلام؟ یقول أنت امن منی.

ترجمہ: آپ جانتے ہیں کہ سلام کیا ہے؟ یعنی آپ مجھ سے امن میں ہیں۔

جیسا کہ مشہور حدیث نبوی ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام.

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے۔

۱۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

۲۔ تذکیر (نصیحت) بھی ہے۔

۳۔ اپنے بھائی سے اظہار تعلق ومحبت بھی۔

۴۔ اس کے لئے بہترین دعا بھی۔ اور

۵۔ اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

(معارف القرآن ''جلد دوم'' سورۃ النساء: ۸۶۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

نیز لفظ ''سلام'' اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔

" اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ " (الحشر: ۲۳)

ترجمہ: وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم۔ (معارف القرآن)

السّلام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ "اَللّٰهُ رَقِيْبٌ عَلَيْكُم" اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے۔ (احکام القرآن لابن عربی)

اور السّلام علیکم کے معنی یہ بھی ہیں کہ تم ہر تکلیف اور مصیبت سے سلامت رہو۔

(ماہنامہ سلوک واحسان شمارہ ۶: جلد ۴)

السلام علیکم: آیات قرآنی کی روشنی میں

قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد آیات کریمہ میں تنکیر یعنی سلامٌ اور تعریف یعنی السّلام دونوں

شکلوں میں مختلف معانی کیلئے وارد ہوا ہے۔

۱۔ تحیہ کے لئے۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ (یونس:۱۰) ترجمہ: اور ملاقات ان کی سلام۔

اہل جنت ایک دوسرے کو سلام سے تحیہ پیش کریں گے۔

۲۔ پاکیزہ باتیں۔ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيمًا ۙ إِلَّا قِيلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (واقعة:۲۵،۲۶)

ترجمہ: نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور گناہ کی بات مگر ایک بولنا سلام سلام (معارف القرآن)

۳۔ جنت یا جنت الفردوس کے معنیٰ میں۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس:۲۵)

ترجمہ: اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف (معارف القرآن)

۴۔ بمعنی درود وسلام۔

سَلٰمٌ عَلٰى نُوحٍ فِي الْعٰلَمِينَ (الصٰفٰت:۷۹) ترجمہ: کہ سلام ہے نوح پر سارے جہاں والوں میں۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى إِبْرٰهِيمَ (الصٰفٰت:۱۰۹) ترجمہ: کہ سلام ہو ابراہیم پر۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوسٰى وَهٰرُونَ (الصٰفٰت:۱۲۰) ترجمہ: سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى إِلْ يَاسِينَ (الصٰفٰت:۱۳۰) ترجمہ: کہ سلام ہے الیاس پر۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ (الصٰفٰت:۱۸۱) ترجمہ: اور سلام ہے رسولوں پر۔ (ترجمہ از معارف القرآن)

۵۔ غضب الٰہی سے نجات جیسے۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (طٰہٰ:۴۷)

ترجمہ: اور سلامتی ہو اس کی جو مان لے راہ کی بات (معارف القرآن)

۶۔ بس بات ختم ہوئی مثلاً فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الزخرف:۸۹)

ترجمہ: سو تو منہ پھیر لے ان کی طرف سے اور کہہ سلام ہے۔ اب آخر کو معلوم کر لیں گے۔

۷۔ بطور تبرک یا خوش آمدید۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد:۲۴)

ترجمہ: کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا سو خوب ملا عاقبت کا گھر۔

(معارف القرآن)

٨۔ امن وسلامتی کے معنی میں۔ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (القدر:۵)

ترجمہ: امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک (معارف القرآن)

٩۔ لغو سے اعراض۔ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ز لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ (القصص:۵۵)

ترجمہ: سلامت رہو۔ ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ (معارف القرآن)

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:٦٣)

ترجمہ: اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت۔

١٠۔ ''السّلام'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم کے طور پر بھی آیا ہے۔

هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ (حشر:٢٣)

ترجمہ: وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم۔

''السّلام'' وہ ذات جو لواحق حادثہ سے پاک ہے جو مخلوق کو لاحق ہوتے ہیں جیسے عیوب، آفات اور فنا وغیرہ۔ (مفردات القرآن) تلک عشرۃ کاملۃ.

اہمیتِ سلام:

اہلِ جنت کو خود ہی حق سبحانہٗ وتقدس جل شانہٗ ''السلام علیکم'' فرمائیں گے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا٥ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ج وَاَعَدَّلَهُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا٥ (الاحزاب:٤٣،٤٤)

ترجمہ: وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان۔ دعا ان کی جس دن اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ثواب عزت کا۔ (معارف القرآن)

یہ اسی صلوٰۃ کی توضیح وتفسیر ہے جو اللہ کی طرف سے مومن بندوں پر ہوتی ہے۔یعنی جس روز یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو اللہ کی طرف سے ان کا اعزازی خطاب سلام سے کیا جائے گا۔ یعنی ''السلام علیکم'' کہا جائے گا۔(معارف القرآن)

وہ جس روز اللہ جل شانہٗ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خود ان سے ارشاد فرماوے گا ''السلام علیکم''۔(رواہ ابن ماجہ۔بیان القرآن)

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی جل شانہٗ ہے:

سَلٰمٌ قف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰس:۵۸)

ترجمہ: سلام بولنا ہے ربِ مہربان سے۔(معارف القرآن)

اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذَا جَآئَکَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (انعام:۵۴)

ترجمہ: اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ دے تو سلام ہے تم پر۔

اہمیتِ سلام:

اہل جنت کو دنیا میں، موت کے وقت اور جنت میں فرشتے سلام کریں گے۔

قرآن میں ارشاد سبحانہٗ وتعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ سَلٰمٌ (ھود:۶۹)

ترجمہ: اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام، وہ بولا سلام ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی جل جلالہٗ ہے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد:۲۴)

ترجمہ: کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا سو خوب ملا عاقبت کا گھر۔

ارشادِ ربانی ہے: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (النحل: ۳۲)

ترجمہ: جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اور وہ ستھری ہیں کہتے ہیں فرشتے

سلامتی تم پر جاؤ بہشت میں بدلہ ہے اس کا جو تم کرتے تھے۔ (معارف القرآن)

اہلِ جنت کو سلام کیا جائیگا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ جل شانہٗ ہے۔

وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الاعراف:۴۶)

ترجمہ: اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر۔

اہلِ جنت کا تحیہ ہی سلام ہوگا۔ قرآن حکیم میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (ابراھیم:۲۳)

ترجمہ: اور داخل کئے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے اور کام کئے تھے نیک باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں (رہا کریں انھیں میں) ان میں اپنے رب کے حکم سے انکی ملاقات ہے وہاں سلام۔

تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (یونس:۱۰)

ترجمہ: اور ملاقات ان کی سلام۔ (معارف القرآن)

فرشتے جب اہل جنت کا استقبال کریں گے تو کہیں گے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (الزمر:۷۳)

سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو (معارف القرآن)

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ (الحجر:۴۶)

کہیں گے ان کو جائے ان میں سلامتی سے (معارف القرآن)

فرشتے ان کو سلام کریں گے: اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ (ق:۳۴)

چلے جاؤ اس میں سلامت (معارف القرآن)

اوران کے پروردگار کا سلام پہنچائیں گے۔ (تفسیر عثمانی) فرشتوں اور مومنین کی طرف سے سلام علیک کی آوازیں بلند ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (مریم:۶۲)

نہ سنیں گے وہاں بک بک سوائے سلام (معارف القرآن)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (واقعة:۲۵،۲۶)

ترجمہ: نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور گناہ کی بات مگر ایک بولنا سلام سلام (معارف القرآن)

رب کریم کا سلام پہنچے گا جو بہت بڑے اعزاز و اکرام کی صورت ہے، اور سلام کی یہ کثرت اس طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تمام آفات و مصائب سے محفوظ و سالم رہو گے۔ نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا نہ موت آئیگی نہ فنا۔ (تفسیر عثمانی)

ارشاد باری تعالیٰ جل شانہٗ ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (الزمر:۷۳)

ترجمہ: اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے جنت کو گروہ گروہ یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگیں ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس طرح مہمانوں کیلئے انکی آمد سے پہلے مہمان خانہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے، جنتی وہاں پہنچ کر جنت کے دروازے کھلے پائیں گے۔ اور خدا کے فرشتے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کلمات سلام و ثنا سے ان کا استقبال کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

(جاری ہے)